فریب زار

(ناول)

غلام جیلانی

ناشر
"ادارہ ادبیاتِ اردو" ایوانِ اردو، پنجہ گٹہ روڈ، حیدر آباد 500082 (اے۔ پی) انڈیا۔

فریب زار

(ناول)

غلام جیلانی

(سلسلہء مطبوعات ادارہء ادبیاتِ اردو شمارہ ۱۳۵)

farebzar

(Novel)

By

Ghulam Jilani

اشاعت	:	ڈسمبر ۱۹۹۹ء
تعداد	:	پانچ سو
قیمت	:	اسی روپے
ناشر	:	ادارہء ادبیاتِ اردو ، حیدرآباد ۔
سرورق	:	سعادت علی خاں
کمپیوٹر کتابت	:	جے ۔ جے ۔ کمپیوٹرس ، حیدرآباد ۔ Ph: 3511131
مطبع	:	او ۔ ایس ۔ گرافکس ، نارائن گوڑہ ، حیدرآباد ۔
کتاب ملنے کا پتہ	:	" سب رس کتاب گھر " ایوانِ اردو ، پنجہ گٹہ روڈ ، حیدرآباد ۔ Pin-500082 (اے ۔ پی) ، انڈیا ۔

Rs 80/-

A C

حسرتِ آب و گل دوبارہ نہیں
سایہ ہے، اعتبارِ سایہ نہیں
(محبوب خزاں)

154

1.2000

دیباچہء عمومی

ادارہء ادبیاتِ اردو کا ایک اہم شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ اور اشاعت کتب ہے۔ گزشتہ کئی برسوں سے ناسازگار حالات کی وجہ سے اس شعبے کی کارکردگی معطل تھی۔ پچھلے دوچار برسوں میں ادارے کا مالی موقف کچھ بہتر ہوا ہے۔ چناں چہ ۱۹۹۶ء اور ۱۹۹۹ء کے دوران چند اہم کتابیں ادارے نے شائع کیں جن میں تذکرہء اردو مخطوطات جلد اول (مرممہ ایڈیشن: ۱۹۹۶ء) ڈاکٹر نتالیہ پری گارنا کی تصنیف "مرزا غالب" (مترجمہ: اسامہ فاروقی ۱۹۹۸ء)، پون کمار ورما کی کتاب "غالب، شخصیت اور عہد" (مترجمہ: اسامہ فاروقی ۱۹۹۹ء) شامل ہیں۔ ادارے کے اشاعتی پروگرام میں سائنس، تاریخ اور مختلف علوم کے ساتھ تحقیقی، تنقیدی کتابوں کے علاوہ تخلیقی ادب کی اشاعت بھی شامل ہے۔ پیشِ نظر کتاب اردو کے ممتاز اور معروف ادیب غلام جیلانی کا ناول "فریب زار" ہے جو پہلے ماہ نامہ "سب رس" میں بالاقساط شائع کیا گیا، جسے "سب رس" کے قارئین نے بے حد پسند کیا اور ادبی حلقوں میں سراہا گیا۔ غلام جیلانی ایک افسانہ نگار اور ڈرامہ نویس کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں۔ ان کے ڈراموں کا مجموعہ "دوسرا کنارا" اور افسانوں کا مجموعہ "آٹھواں سفر" شائع ہو چکے ہیں۔

دھیرج گھوش نے کارنس پر رکھے آئس کین سے برف کا ایک کیوب شراب کے گلاس میں ڈالا اور پلٹ کر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا ۔۔۔ " میں پھر کہتا ہوں ۔ آرٹ از اے وے آف لائف ۔ جینے کی ادا کا نام ہے آرٹ ۔ وہ ہمارے دل اور دماغ پر ایک فضا قائم کر دیتا ہے ۔ یہ فضا کبھی ایک راز بن کر ذہن کو بے چین کر دیتی ہے اور کبھی بادلوں کی اوٹ سے سورج کی طرح نکل کر اجالا بکھیر دیتی ہے ۔۔۔۔"

" بیوٹی فل مسٹر گھوش !" میورل آرٹسٹ ناگ راج بول پڑا ۔ " آپ جتنے اچھے ناولسٹ ہیں ، اتنے ہی اچھے اسپیکر بھی ہیں ۔"

دھیرج گوش نے اپنی گدے دار کرسی پر واپس آتے ہوئے " تھینک یو " کہا ۔

منوج نے سگریٹ کا ایک لمبا کش لیا اور آہستہ سے بولا ۔۔۔ " مسٹر گھوش ، ابھی آپ نے جو کچھ کہا ، وہ شاید میں نے کہیں پڑھا تھا ۔"

" اس وقت تو میں نے کہا ہے ۔" گھوش نے منوج کی طرف دیکھے بغیر کہا ۔

آٹھ دس لوگوں کی اس محفل میں منی راج نے اس دن جن لوگوں کو مدعو کیا تھا ،

فریب زار

" فریب زار " لکھ کر انھوں نے ناول کی صنف میں بھی اپنی فن کارانہ انفرادیت کا نقش ثبت کیا ہے۔ غلام جیلانی کو زبان اور اس کے تخلیقی استعمال پر بڑی قدرت حاصل ہے اور اس وصف کی بنا پر انھیں عہد حاضر کے ادیبوں میں امتیازی مقام حاصل ہے۔

امید ہے کہ ادارے کی یہ تازہ پیش کش نئے عہدِ ہزار سالہ میں اردو ادب کو ایک قابلِ تحسین تحفہ ثابت ہوگی۔

مغنی تبسم

(معتمدِ عمومی)

ادارہ ادبیاتِ اردو ، حیدرآباد۔

تخلیق نقاد کے ذہن میں تھرل پیدا کرے، جس سے وہ لطف اندوز ہو؟ اور پھر وہ نقاد اس تھرل کو دوسروں تک پہنچائے؟ ۔۔۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی تخلیق نے راست عام آدمی کے دل و دماغ میں ہل چل مچادی، جب کہ ہمارا نقاد بین کے آگے بھینس بنا بیٹھا رہا۔۔۔"

آرتی نے خوش ہوکر جوشیلے انداز میں منوج کی طرف یوں دیکھا جیسے یہ بات روپیش نے نہیں خود اس نے کہی ہے۔۔۔ " مسٹر منوج۔ آپ کا کیا خیال ہے اس بارے میں؟ ۔۔۔ آپ تو اپنے ریویوز میں روایتی پیمانوں کا دامن کبھی چھوڑتے ہی نہیں۔۔۔"

منوج نے بہت ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔۔۔ " یہ ماڈرنٹی آپ کا ابسیشن بنتی جارہی ہے، آرتی جی۔"

" آئی آبجکٹ منوج صاحب " آرتی کی آواز تلوار کی دھار لگ رہی تھی۔۔۔ " آج کی دنیا میں تو کل کی بات پرانی ہوجاتی ہے۔ کیا ماڈرنیٹی کا ساتھ دینا ابسیشن ہے؟ ۔۔۔ رماجی کی ہی مثال لیجیے۔ تین چار سال سے انھوں نے کچھ نہیں لکھا۔ اس سے پہلے ان کے لکھے ہوئے پلیز اور ان کے پروڈکشنز کی آپ اتنی تعریف کیا کرتے تھے۔ کیا وہ باتیں آج بھی کسوٹی پر پوری اتریں گی؟"

سب لوگ چپ ہوگئے۔ رما دیوی منوج کے پاس شروع سے چپ بیٹھی تھی۔ وہ اسی طرح خاموش بیٹھی رہی جیسے آرتی کی بات کا نوٹس ہی نہیں لیا۔ دھیرج گھوش نے اس بوجھل خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا۔۔۔ " مسز رما آنند نے چار سال پہلے جو کچھ لکھا، وہ اس وقت کے لیے ماڈرن تھا۔ اگر آج وہ کچھ لکھیں گی تو وہ اس وقت کے لیے ماڈرن ہوگا۔"

" یہ دنیا بڑی ظالم ہوتی ہے، مائی ڈیر " ۔۔۔ اندرانی کہنے لگی۔۔۔ " چند دن آپ کا نام نظروں سے اوجھل ہوا اور لوگ بھول جاتے ہیں۔"

میزبان منی راج جو زیادہ تر چپ ہی رہا کرتا تھا اور جس نے بہ طورِ خاص آج کی

ان میں سب ہی کا شمار کسی نہ کسی عنوان سے تخلیقی فن کاروں میں ہوتا تھا۔ رات کا کھانا ختم کرکے سب لوگ منی راج کے شان دار فرنیچر سے سجے ڈرائنگ روم میں آ بیٹھے تھے۔ فروری کے گلابی جاڑوں میں کمرے کے اندر گدرائی ہوئی خوش گوار گرمی نے فضا کو دل آویز بنادیا تھا۔ بوتلوں کے کاگ اچھلے دیر ہوچکی تھی اور اب ڈنر کے بعد گلاسوں میں شراب انڈیلنے کی آوازیں نہیں آرہی تھیں۔

منی راج ان لوگوں میں تھا جو خود تو آرٹسٹ یا شاعر نہیں ہوتے، مگر انٹلکچوئلس کے ساتھ اپنی رفاقت کی تشہیر میں فخر محسوس کرتے ہیں اور اس کے لیے اپنا وقت اور دولت بڑی فراخ دلی سے خرچ کرتے ہیں۔

اندرانی گھوش کی فرمائش پر آرتی دیوی نے اپنی نظم سنائی۔

نظم ہمیشہ کی طرح معمولی تھی۔ شراب میں بھیگے ہوئے ماحول میں اسے زیادہ تعریف نہ مل سکی۔ نظم کے دوران اندرانی گھوش نے دو ایک بار منوج کی طرف یوں دیکھا جیسے وہ اس سے نظم کے بارے میں کوئی ریمارک سننا چاہتی ہو۔ منوج کا شمار ان دنوں ملک کے چوٹی کے آرٹ کریٹکس میں ہوتا تھا اور ایک دفعہ اس نے آرتی کی ایک نظم سن کر کہا تھا:

"آرتی جی۔ آپ جتنی محنت اور لگن سے اپنی سجاوٹ کرتی ہیں، اتنی ہی اپنی نظم کو سنوارنے میں کرتیں تو یہ کتنی دل نشین ہوجاتی!"

مگر اس دن منوج چپ بیٹھا رہا۔ نظم ختم ہوئی تو گلاس سے ایک سِپ لے کر اندرانی کے شوہر دھیرج گھوش سے آرٹ کے کسی مسئلے پر کوئی سوال کر بیٹھا۔ دھیرج گھوش نے جواب میں کوئی اور سوال اٹھا دیا اور دیر تک بحث ہوتی رہی جس میں رما دیوی کے سوا وہاں موجود سب ہی نے حصہ لیا۔

خوب رو نوجوان رو پیش، جو اسٹیج ایکٹر تھا اور اب ٹی۔ وی سیریلس میں آرہا تھا، کہنے لگا۔۔۔۔

"میں مسٹر ناگ راج کی بات سے اتفاق نہیں کرتا۔ یہ کیا ضروری ہے کہ ہر

محفل میں رما کو بلایا تھا ، بول پڑا ۔۔۔ " آپ ٹھیک کہتی ہیں مسز گھوش ۔ مگر جس ٹریجیڈی سے رما دیوی گزری ہیں ، اس کے بعد ان کے قلم کا رک جانا نیچرل تھا ۔"

" کہتے ہیں کہ غم کی آنچ آرٹ کو اور دہکاتی ہے ۔" ۔۔۔ آرتی بولی ۔

" یہ بات وہی لوگ کہتے ہیں جنھوں نے غم کو کبھی چکھا نہیں " ۔۔۔ اس پر روپیش بول پڑا ۔

" روپیش ؟ ۔۔۔ ڈونٹ بی سلّی ۔" آرتی کی تلوار پھر لہرائی ۔۔۔ " میں سمجھ سکتی ہوں کہ شوہر کا غم معمولی غم نہیں ہوتا " ۔۔۔ پھر رک کر رما دیوی سے بولی " آئی ایم ساری رما جی ، ۔۔۔ میں سمجھی تھی اتنے دنوں میں آپ کا غم ۔۔۔ "

منی راج آرتی کی بات کاٹ کر بول پڑا ۔۔۔ " رما جی ۔ آپ جب سے چپ بیٹھی ہیں ، ۔۔۔ کوئی بات نہیں کی آپ نے ! "

" مجھے کچھ کہنا نہیں ہے مسٹر منی راج " رما نے کہا " میں آج آپ لوگوں کی باتیں سننے آئی تھی اور اس کے لیے احسان مند ہوں ۔۔۔ کئی کام کی باتیں معلوم ہوئیں آج ۔۔۔ اور آرتی ، میں جانتی ہوں تم نے جو کچھ کہا ، میری ہمدردی میں کہا ۔ مگر تم نہیں جانتیں ، میں اداس بالکل نہیں ہوں ۔ ہونی کو کس نے روکا ہے ! ۔۔۔ میں تو خوش قسمت ہوں کہ کہ آنند نے اتنے دن میرے ساتھ گزارے ۔۔۔ وہ دن جو سچی خوشیوں سے بھرپور تھے ۔ ورنہ کتنے لوگ ہیں جو ساتھ رہتے ہوئے بھی سچی خوشی کے تجربے سے کبھی ہم کنار نہیں ہوتے ، اور زندگی گزار دیتے ہیں ! ہمدردی تو ان سے کرنی چاہیے ۔۔۔ "

رما نے رک کر اپنا پرس اور شال سنبھالی ۔۔۔ " تھینک یو مسٹر منی راج ، جو آپ نے آج کی گیدرنگ میں مجھے ان وائٹ کیا ۔۔۔ مسٹر منوج ، کیا آپ مجھے گھر چھوڑ دیں گے ؟ "

کرسی سے اٹھتے ہوئے منوج کہنے لگا ۔۔۔ " مارسل پروست نے کہا ہے ، دنیا ایک بار بن کر ختم نہیں ہو گئی ۔۔۔ جب بھی کوئی بڑا فن کار قلم اٹھاتا ہے ، دنیا پھر سے بنتی ہے ۔ ایکس کیوزمی جنٹلمن ۔۔۔ چلیے رما جی ۔"

یکایک آرتی رما سے بولی "۔۔۔ رما جی۔ میں نے سنا تھا، آپ نے نئی کار لی ہے۔۔۔؟"

"تو یہ بھی سنا ہوگا، میں رات کو کار نہیں چلاتی۔۔۔" ۔۔۔ رما کی آواز میں اتار چڑھاؤ نہیں تھا، دو تین قدم چل کر وہ اک دم رک گئی۔ پلٹ کر سب کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔۔۔ "شما کیجیے۔ جانے سے پہلے میں نے آپ کو نمستے نہیں کہا۔"

اکثر دکانیں بند ہو چکی تھیں اور خالی خالی سڑکوں پر لطیف نیلگوں کہرا اترنے لگا تھا کار کے شیشے چڑھے ہوئے تھے۔ رما شال لپیٹے خاموش بیٹھی کار کے پہیوں سے نکلنے والی وہ آواز سن رہی تھی جو جاڑوں کی راتوں میں خالی سڑکوں کی رگڑ سے ایک مسلسل پُر اسرار سیٹی سی بن کر کار کا تعاقب کرتی ہے۔

"مجھے بے حد خوشی ہے کہ آج اس گیدرنگ میں آپ آئیں۔" منوج نے کہا۔

"آپ اتنا اصرار نہ کرتے تو شاید نہیں آتی۔" رما نے جواب دیا۔

"آرتی کی باتوں کا برا تو نہیں مانا آپ نے؟ باتوں میں ایک آدھ ڈنک ضرور ارتی ہے وہ۔۔۔" منوج بولا۔

"میں ان کی باتوں کا کبھی نوٹس نہیں لیتی۔۔۔ ہاں انجوائے ضرور کرتی ہوں"۔ رما بولی "منوج صاحب۔ آج شاید تین سال بعد ان لوگوں سے ملی تھی۔ حیرت ہے، یہ آج بھی اسی جگہ ہیں، جہاں میں نے انھیں چھوڑا تھا!"

گرین ویو ہوٹل سے کچھ لوگ نکل رہے تھے۔ منوج نے کار آہستہ کرکے رما کے ھر کی طرف جانے والی سڑک پر موڑ لی۔

"یہ اندرانی جی مسز گھوش کب بن گئیں؟" رما نے پوچھا۔

"کوئی ایک سال ہوا۔"

"ان کے پچھلے شوہر تو مشہور آرکیالوجسٹ تھے!" رما کی حیرت ابھی کم نہیں وئی تھی۔

" شاید انھیں آرکیالوجی سے اب کوئی دل چسپی نہیں رہی ۔" منوج بولا ۔

" اور دھیرج گھوش کی پہلی بیوی ۔۔۔؟ "

منوج نے مڑکر رما کی طرف دیکھا ۔۔۔ " وہ ان کی دوسری بیوی تھی ۔۔۔ چھوڑ دیا

اسے ۔ They have separated "

" کچھ لوگ کتنی آسانی سے اپنی زندگی کا چولا بدل لیتے ہیں ! " رما نے ایک دو سکنڈ چپ رہ کر کہا ۔

منوج بولا ۔۔۔ " مجھے تو لگتا ہے دھیرج گھوش دوسروں کی زندگیوں سے بے مقصد نہیں کھیلتا ہے ۔ اسے اپنے ناولوں کے لیے کیرکٹرز تلاش کرنا ہوتا ہے ۔"

اس کے بعد دونوں چپ ہوگئے ۔ تھوڑی دیر میں رما کا گھر آگیا ۔ موٹر سے اترتے ہوئے رما بولی ۔۔۔ " تھینک یو منوج صاحب ۔۔۔ ویسے آج کا تجربہ برا نہیں رہا ۔۔۔ گڈ نائٹ ۔"

منی راج کے یہاں ابھی سب لوگ موجود تھے ۔ آرتی گلاس کی تہہ میں دیر سے پڑی چند بوندوں کو ایک چسکی میں ختم کرتے ہوئے بولی ۔۔۔ " آپ نے دیکھا مسز گھوش، رما کتنی لیے دیے بیٹھی رہی ؟ جیسے یہاں آکر ہم پر احسان کیا ہے ۔"

" یہ بات نہیں آرتی ۔ " اندرانی گھوش بولی ۔ آج اتنے دن بعد ایسے رائیٹرز اور آرٹسٹوں کی کمپنی میں وہ شاید نروس ہوگئی تھیں ۔

" نروس وروس کچھ نہیں ۔۔۔ وہ سدا کی گھمنڈی رہی ہے ۔۔۔ اور وہ منوج ؟ "

آرتی پتہ نہیں کیا کہنا چاہتی تھی ۔ رک کر آہستہ سے بولی " بڑا کرٹیک بنا پھرتا ہے ! ۔۔۔ فین ہے اس کا ۔ مارسل پروست کو کوٹ کرنے سے کیا مقصد تھا اس کا ؟ "

منی راج جو عام طور پر چپ بیٹھا دوسروں کی گفتگو سنتا رہتا تھا ، کہنے لگا ۔۔۔ " وہ کسی کا فین نہیں ہے مسز آرتی ورما ۔۔۔ سوائے آرٹ کے ۔"

رو پیش یک بارگی کھڑا ہوگیا ۔۔۔ " منی راج صاحب ۔ میں بھی اب جانے کی

اجازت چاہتا ہوں۔ رات کافی ہو گئی ہے اور کل لوکیشن شوٹنگ پر جانا ہے۔"

"ارے آپ جا رہے ہیں روپیش؟" آرتی بولی۔ "آپ نے وعدہ کیا تھا، مجھے گھر پر ڈراپ کریں گے؟"

"تو چلیے۔۔۔ مجھے وعدہ یاد ہے۔"

آرتی کھڑے ہونے میں ذرا سا لڑکھڑا گئی۔ روپیش کا سہارا لیتے ہوئے بولی۔ "اکسکیوز می جنٹلمین۔۔۔ آئی ہیو ٹو لیو۔۔۔ تھینکس مسٹر منی راج۔ بڑا اچھا وقت گذرا۔"

روپیش کے سہارے جاتی ہوئی آرتی کو اندرانی گھوش دیر تک دیکھتی رہی۔

سڑکیں ویران ہو چکی تھیں۔ ہوا کے سرد جھونکوں میں درختوں سے اکا دکا زرد پتے ٹوٹ کر گر رہے تھے۔ کہرے کی مہین چادر میں لپٹی اسٹریٹ لائٹس ابھی سے اونگھنے لگی تھیں۔ روپیش کار کو دھیمی رفتار سے چلا رہا تھا کیوں کہ برابر کی سیٹ پر بیٹھی آرتی کا سر اس کے کاندھے پر ڈھلک گیا تھا۔ آرتی آنکھیں بند کیے کسی گیت کے بول گنگنا رہی تھی۔ جو کوشش کے باوجود روپیش کی سمجھ میں نہیں آرہے تھے۔

کار دھیرے سے یوں رکی جیسے پانی پر پھسلتے پھسلتے رک گئی ہو۔ آرتی کو پتہ بھی نہ چلا۔

"آرتی جی گھر آگیا۔"

"گھر آگیا۔۔۔ کس کا؟" آرتی نے چونک کر پوچھا۔

"تمھارا اور کس کا؟" روپیش نے اسی طرح دھیمے لہجے میں کہا۔

"اوہ۔۔۔ آگیا گھر!۔۔۔ اتنی جلدی!۔۔۔ میں نے کہا تھا دھیرے دھیرے چلو روپیش"۔۔۔ آرتی نے بدن سمیٹتے ہوئے کہا۔ "تو اب مجھے جانا ہے۔ پھر اپنی اسی تنہائی میں۔"

آرتی پلٹ کر روپیش کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔ "۔۔۔ روپیش کیا تم اترو گے نہیں؟۔۔۔ کیا کچھ دیر اور۔۔۔ میرے ساتھ نہیں گزار سکتے؟۔۔۔ آئی ایم سو لونلی۔۔۔"

"تم امریکہ کیوں نہیں چلی جاتیں ۔۔۔ اپنے ہسبنڈ کے پاس ؟"

دہکتی چنگاری پر چھن سے پانی کا قطرہ ٹپکا ۔۔۔ "تم مجھے اسی لیے ساتھ لائے تھے کہ چھوٹے بچے کی طرح نصیحتیں کرو ؟ مجھ سے ہوش کی باتیں کرو ؟" آرتی نے رک کر سانس درست کیا ۔۔۔ "جب کہ میں اپنے ہوش و حواس رات کے پراسرار رنگوں میں بکھیر چکی ہوں ۔ میں مدہوش رہنا چاہتی ہوں روپیش ۔"

روپیش نے آرتی کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "۔۔۔ اتنی زیادہ مت پیا کرو آرتی ۔۔۔ جاؤ اب آرام کرو ۔"

آرتی نے جھلا کر روپیش کا ہاتھ جھٹک دیا ۔۔۔ "یو بروٹ ۔ تمھیں میری ذرا بھی پروا نہیں ہے !" اور جلدی سے کار کا پٹ کھول کر نیچے اتر گئی ۔۔۔ "آج تم نے وہاں میری نظم کی ذرا بھی تعریف نہیں کی ۔ میں نظم سنا رہی تھی اور تم رما کی طرف دیکھ رہے تھے ۔"

"رما آنند کے ڈراموں میں مَیں نے کام کیا ہے مسز آرتی ورما" روپیش نے سمجھانے کی کوشش کی ۔۔۔ "میں نے بہت کچھ سیکھا ہے ان سے ۔"

"تو پھر جاؤ ۔ اور سیکھو اسی سے ۔۔۔" اور باہر کا دروازہ زور سے دھکیل کر آرتی گھر کی سیڑھیوں کی طرف تیز تیز قدموں سے چلی گئی ۔ سیڑھیوں پر پھر ایک بار لڑکھڑا گئی ۔ رک کر اپنے کو سنبھالا اور جا کر کال بیل کا بٹن دبانے کے لیے ہاتھ بڑھایا ۔ مگر پیچھے کھڑے ہوئے روپیش نے اس کا ہاتھ تھام لیا ، اور خود بٹن دبا دیا ۔

آرتی بپھری شیرنی کی طرح پلٹی اور دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں کس کر روپیش کے سینے پر مارنے لگی اور پھر بے دم ہو کر اسی سینے پر گر پڑی ۔

آرتی کی نوکرانی دروازہ بند کر کے پلٹی تو دیکھا کہ اس کی مالکن اسی طرح روپیش سے چپکی لڑکھڑاتے قدموں سے بیڈ روم کی طرف جا رہی ہے ۔ آرتی کی نوکرانی کو کوئی حیرت نہیں ہوئی ۔

(۲)

منی راج والی پارٹی کے تیسرے دن رما ناشتہ کر کے چائے پی رہی تھی کہ منوج آگیا۔ ناشتے کی میز پر ہی دونوں دیر تک باتیں کرتے رہے۔ رما کے سامنے ایک ایر لیٹر پڑا تھا۔ منوج نے دیکھا تو رما بولی ۔۔۔ " کمل کا ہے۔ ہارورڈ یونیورسٹی سے ایم۔ بی۔ اے کا امتحان دے دیا ہے۔"

" پھر اب کیا کر رہی ہے ؟" منوج نے پوچھا۔

" عشق "

" عشق ؟"

" ہاں۔ عشق۔" اور میز پر سے لیٹر اٹھا کر منوج کو دے دیا۔

"۔۔۔ سچ ممی۔ اس عجیب کیفیت سے پہلی بار گزر رہی ہوں۔ اب میں نے جانا ہے محبت کیا ہے ! اس سے پہلے جو دو ایک تجربوں سے گزری تھی، اور جس کے بارے میں تمھیں لکھا بھی تھا، وہ تو بس ایسے تھے جیسے تیز بارش سے پہلے ہوائیں چلیں اور بوندا باندی کے جھلے آئیں اور گذر جائیں۔۔۔ رسک بھی ہندوستانی ہے۔ کلکتے کا۔ مائکرو ویو ٹکنالوجی کا اکسپرٹ مانا جاتا ہے۔ یہاں امریکہ میں پانچ سال سے ہے۔ ممی ۔۔۔ وہ بھی مجھ سے اتنی ہی محبت کرتا ہے۔ اس کی آواز میں بنگال کا جادو ہے۔ گاتا ہے تو دل کی دھڑکنیں تیز ہو جاتی ہیں۔۔۔ میں اس کی تصویر نہیں بھیج رہی ہوں۔ تین مہینے بعد آؤں گی تو ساتھ لاکر سامنے کھڑا کر دوں گی اک دم۔ تمھاری پسند کے بعد ہی آگے قدم اٹھایا جائے گا۔

باتیں کرسکوں ؟ ۔۔۔ بس وہی دکھاوے کی نپی تلی باتیں، جھوٹی شان، جلن، حسد اور کھوکھلے قہقہے ۔۔۔"

رما نے ابھی جملہ ختم نہیں کیا تھا کہ منوج آگے کہتا چلا گیا ۔۔۔ " ان کی محرومیاں ان کے مزاج کا کڑواپن بن جاتی ہیں۔ دوسرے کی آنکھ کا تنکا بھی دیکھ لیتے ہیں، مگر اپنی آنکھ کے آگے شہتیر بھی دکھائی نہیں دیتا۔"

رما نے چونک کر منوج کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرا کر بولا ۔۔۔ " جی ہاں! کچھ اسی طرح کے ڈائیلاگ تھے جو آپ کے کسی ڈرامے میں ایک کیرکٹر ادا کرتا ہے۔"

" آپ کو یاد ہے!" رما نے حیرت سے پوچھا۔

" رما جی۔ میں نے آپ کے ہر ہر ڈرامے کو پڑھ کر اور اسٹیج پر دیکھ کر ریویو لکھے تھے ۔۔۔ یوں ہی نہیں لکھے تھے۔" منوج بولا ۔۔۔ " ایک مرتبہ آنند نے مجھ سے ہنستے ہوئے کہا تھا ۔۔۔ بھئی منوج میں آج تک رما کا کوئی ڈراما شروع سے آخر تک نہیں دیکھ سکا، تم کیسے دیکھ لیتے ہو؟"

منوج نے رما کی طرف دیکھا۔ رما کے چہرے پر مسکراہٹ تھی ۔۔۔ ہلکی ہلکی دل آویز چاندنی جیسی مسکراہٹ۔ جیسے کسی بات پر کوئی اور بات یاد آجائے اور کئی خوش گوار یادیں سمٹ آئیں۔

" زندہ دلی میں آنند کی مثال نہیں تھی ۔۔۔" بہت آہستہ سے منوج بولا۔ جیسے یہ بات اپنے آپ سے کہی ہو۔

" ہنستے اور ہنساتے وقت وہ بالکل بچہ بن جاتے تھے ۔۔۔" رما بولی۔

" اور یہ بچہ آنند کے اندر کبھی بڑا نہیں ہوا۔" منوج نے کہا۔ یادوں کی لطیف لہروں سے دونوں ہی لطف اندوز ہو رہے تھے ۔۔۔

" ایک دفعہ کلکتہ جاتے ہوئے پلین میں آنند کا ساتھ ہوگیا" ۔۔۔ یکایک منوج بولا " ہم دونوں ایک ہی ہوٹل میں ٹھہرے۔ اپنے اپنے کام کرکے دونوں موہن بگان اور ایسٹ بنگال کا میچ دیکھنے چلے گئے۔ آپ جانتی ہیں آنند فٹ بال کا اچھا کھلاڑی تھا ۔۔۔"

۔۔۔ یاد رکھو ممی، تم سے زیادہ میرے لیے دنیا میں کوئی چیز
نہیں ہے اور تمھیں مجھ سے کتنی محبت ہے وہ بھی جانتی ہوں۔۔۔

تمھاری۔۔۔
نیل کمل

P.S. رسک سے ملنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ تم میں
اور ڈیڈی میں کتنی عظیم محبت تھی!"

خط کو واپس رکھتے ہوئے منوج نے رما کی طرف دیکھا جو آنکھیں بند کیے چپ چاپ بیٹھی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہیں؟"

"کچھ نہیں۔ بڑا عجیب سا لگ رہا ہے۔" رما نے جواب دیا۔

"ایسا ہی ہوتا ہے رما دیوی۔ گڑیوں سے کھیلنے والی ننھی منی بچیاں کب بڑی ہوجاتی ہیں، ماؤں کو پتہ بھی نہیں چلتا اور جب محبت کا پہلا جھونکا ان کی دنیا میں داخل ہوتا ہے تو ماؤں کے دل دھک سے رہ جاتے ہیں۔۔۔ مگر کمل بڑی سمجھ دار بچی ہے۔ ایسی بیٹی ہر کسی ماں کو نصیب نہیں ہوتی رما دیوی جی۔۔۔" منوج نے کہا۔۔۔ "خوشی کی بات ہے کہ کمل محبت جیسی عظیم نعمت سے ہم کنار ہورہی ہے۔"

"محبت جتنی عظیم نعمت ہے، اتنی ہی سفاک بھی ہوتی ہے، منوج صاحب۔" رما بولی۔

"سفاک تو ہر سچائی ہوتی ہے اسی طرح جیسے وہ عظیم بھی ہوتی ہے۔۔۔" منوج بولا۔ "۔۔۔ چھوڑیے ان باتوں کو اور اندیشوں کو اور اس خط کو احتیاط سے رکھیے، جو کمل کی نئی زندگی کی سہانی یادوں کی البم میں پہلی تصویر ہوگا۔"

رما کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ جھلکی۔۔۔ "آپ جب آئے تو محض اتفاقاً یہ خط نکال کر پڑھ رہی تھی،۔۔۔ کل سے تیسری بار۔ مگر اچھا ہی ہوا جو آپ نے بھی دیکھ لیا ورنہ اب آپ کے اور اسوانی صاحب کے سوا اور کون ہیں جن سے کمل کی

نام دیا ہے۔"

" مگر آپ نے مجھ سے پوچھا تو ہوتا۔"

" وقت نہیں تھا۔ الہٰ آباد سے ڈاکٹر سوبراں نے یہاں آنے کا پروگرام بدل دیا۔ ان کی وجہ سے ہم کو بھی سیمینار جلدی رکھنا پڑا۔ مگر ٹاپک آپ کے لیے نیا نہیں ہے۔ مجھے یاد ہے کوئی چار پانچ سال پہلے آپ نے ماڈرن لٹریری ٹرینڈز پر ایک آرٹیکل لکھا تھا۔"

" جب کی بات اور تھی منوج صاحب۔۔۔ اب مجھ سے کچھ نہ ہوگا۔"

" ہوگا رما جی۔ یقین رکھیے۔"

کیوں۔۔۔ آخر کیوں آپ اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ۔۔۔" کہتے کہتے رما رک گئی۔ جیسے الفاظ تلاش کر رہی ہو۔۔۔ " میں وہ حوصلہ کہاں سے ڈھونڈ لاؤں جو آنند کے ساتھ گم ہو چکا ہے۔"

" وہ گم نہیں ہوا ہے "۔۔۔ منوج بولا۔ " ڈوب گیا ہے، اندھیرے میں۔ اور رات کے اندھیرے میں پربت گم نہیں ہو جاتے۔ رات کا سینہ چیر کر روشنی کی کرن ضرور پھوٹتی ہے اور سارے منظر وہیں رہتے ہیں۔ رما دیوی۔۔۔ کریئیٹو ٹیلنٹ کسی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ اس سے یوں منھ موڑ لینا ایشور کی نافرمانی ہے۔۔۔"

رما اٹھ کر ٹہلنے لگی۔۔۔ " آنند کے جانے کے بعد میں کبھی اپنی کتابوں کی گرد بھی صاف نہیں کر سکی اور اب آپ چاہتے ہیں کہ۔۔۔" وہ پھر رک گئی۔ پلٹ کر آہستہ سے بولی " اس راستے پر مجھے واپس لانے پر آپ کو اتنا اصرار کیوں ہے؟"

" اس کی وجہ میں بھی نہیں جانتا رما دیوی۔۔۔ " چند لمحے خاموش رہ کر منوج بولا۔۔۔ " یا شاید اس کی تہہ میں چھپی ہوئی میری خود غرضی ہے۔ وہ بھروسا ہے، جو مجھے اپنے آپ پر ہے اور جسے میں کھونا نہیں چاہتا۔۔۔"

رما دل چسپی سے سن رہی تھی۔

" میچ پورے جوش و خروشس پر تھا۔ ایک موقع پر موہن بگان کا ایک کھلاڑی ایسٹ بنگال کی پوری ڈیفنس کو ڈریبل کر کے عین گول کے سامنے پہونچ گیا۔ مگر بال کو کک لگا کر گول کرنے میں دیر کر رہا تھا۔۔۔ دلوں کی دھڑکنیں تیز ہو گئی تھیں۔ تماشائیوں کے ٹینشن کا لاوا پھٹ پڑنے کو تھا۔۔۔ آخر اسس نے گول کر دیا۔ خوشی سے لوگوں کے شور نے اسٹیڈیم کو سر پر اٹھالیا۔ اسی شور میں ہمارے سامنے کھڑے ہوئے ایک موٹے بنگالی نے پلٹ کر جلدی سے آنند سے کہا۔۔۔ تھینک یو۔ ورنہ بھٹا چاریہ اب تک گول نہ مارتا!۔۔۔ اور قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا۔

مجھے حیران دیکھ کر آنند میرا ہاتھ پکڑ کر الگ لے گیا۔ اور بولا۔۔۔ اس کم بخت نے گول مارنے میں اتنی دیر لگادی کہ میرا پیر اٹھ گیا، سیدھا اسس بنگالی کے بٹکس پر۔ تم نے کبھی فٹ بال کھیلا ہے؟"

اور منوج ہنستا چلا گیا۔۔۔ اسے اسس طرح ہنستے ہوئے شاید ہی کسی نے دیکھا ہو گا۔ ورنہ ہمیشہ چپ رہنے والا منوج تو ہنسی جانتا ہی نہ تھا۔

رما کی ملازمہ چائے کے خالی برتن لے جانے آئی کھڑی تھی اور حیرانی سے دیکھ رہی تھی کہ کتنے عرصے بعد رما ایسے ہنس رہی ہے! خوشس ہو کر بولی " چائے اور لاؤں بی بی جی؟"

رما نے منوج کی طرف دیکھا۔

" نہیں اب اور نہیں۔" منوج نے چونک کر کہا۔۔۔ " ارے۔ اصل کام تو میں بھول ہی گیا جس کے لیے آیا تھا! " رما جی۔ ہماری سوسائیٹی ایک سیمینار آرگنائز کر رہی ہے۔۔۔ لیڈیز ٹرینڈز۔۔۔ ٹوڈے اینڈ ٹومارو۔ اسس میں آپ کو پیپر پڑھنا ہے۔"

رما نے اک دم منوج کی طرف دیکھا۔ بے چین سی ہو کر کچھ کہنا چاہتی تھی۔ مگر منوج جلدی سے بولا۔۔۔ " نہیں۔ آپ انکار نہیں کریں گی۔ میں نے خاص طور پر آپ کا

" مجھے یقین ہے ، اس روز آپ نے آرتی دیوی کی باتوں کا برا نہیں مانا ہوگا ۔۔۔" چائے کی پیالی اٹھاتے ہوئے اسوانی بولا۔

" نہیں مجھے ان کی باتوں پر نہ دکھ ہوتا ہے نہ تعجب ۔" رما بولی "۔۔۔ بتائیے آج کیا کام ہے ؟" ۔۔۔ اور چائے پینے لگی۔

قدرے توقف سے اسوانی بولا۔۔۔ " آپ کی دلی والی پراپرٹی کا ڈیل ہو گیا ہے۔ اس سے اچھا آفر ممکن نہیں تھا۔ یوں بھی وہ مکان اتنے عرصے سے بے کار خالی پڑا تھا۔۔ اگر آپ ایگری کریں تو ۔۔۔"

" مسٹر اسوانی۔ آپ اسے ٹھیک سمجھتے ہیں تو پھر مجھے کچھ کہنے کی کیا ضرورت ہے ؟" رما بول پڑی۔

میز پر سے ٹائپ شدہ اسٹامپ پیپرز کا فائل اٹھا کر رما کو دیتے ہوئے اسوانی کہنے لگا ۔۔۔ " میں نے سارے ڈاکیومنٹس تیار کر رکھے ہیں۔ ان پر آپ کے دستخط چاہئیں۔"

رما پرس سے قلم نکالنے لگی تو جلدی سے اسوانی بولا ۔۔۔ " نہیں رما بھابھی ۔۔۔ پہلے آپ انھیں ایک نظر دیکھ لیجیے۔ پڑھنے کے بعد ۔۔۔"

رما بات کاٹ کر بولی ۔۔۔ " اسوانی صاحب۔ آپ آنند کے بزنس پارٹنر ہی نہیں سچے دوست کی طرح رہے ہیں ۔۔۔ پہلے بھی ، اور اب بھی۔ آپ نے جو بھی کیا ہے۔ ہمارے فائدے کے لیے کیا ۔۔۔ اور اب بھی کر رہے ہیں۔ ان پیپرز کو پڑھ کر میں اس یقین کو ٹھیس پہنچانا نہیں چاہتی جو مجھے آپ پر ہے ۔۔۔ بتائیے۔ کہاں کہاں کرنے ہیں دستخط۔"

" شکریہ ، رما بھابھی ۔۔۔" اسوانی دھیرے سے بولا۔ " آپ لوگوں کی پارٹنرشپ پر مجھے فخر ہے ۔۔۔ لیجیے۔ یہاں ۔۔۔ اور یہاں سگنیچر کر دیجیے۔"

رما دستخط کرنے کے بعد چند سکنڈ چپ چاپ بیٹھی رہی۔ پھر آہستہ سے بولی ۔۔۔ " بس ایک بات کہنی ہے آپ سے۔ اس مکان کے ڈسپوزل سے پہلے ۔۔۔ ایک بار

(۳)

گیارہ بجے اسوانی سے اپائنٹمنٹ تھا۔ گیریج سے کار نکال کر اسٹارٹ کرنے لگی تو ہمیشہ کی طرح رما نے دیکھا کہ سڑک کے دوسری جانب مقابل کے گھر میں سے کچھ آنکھیں اس کی طرف دیکھ رہی ہیں۔ مگر اب وہ ان چیزوں کی عادی ہو گئی تھی۔ لوگوں کی نظروں کی یا ان کی سرگوشیوں میں باتوں کی۔ لڑکی امریکہ میں پڑھ رہی تھی اور گھر میں وہ اکیلی رہتی تھی۔ اس گھر کو آنند نے بڑے چاؤ سے بنایا تھا۔ رما کی نفاست پسند طبیعت کا خیال رکھتے ہوئے بڑی خوش ذوقی سے آراستہ کیا تھا۔ طوفان آئے اور گزر گئے مگر رما نے اپنے رہن سہن کی ڈگر نہیں چھوڑی۔۔۔ اپنے دکھوں کی ٹیس کو چہرے کی مسکراہٹ میں چھپائے رکھا۔

سادہ مگر سلیقے کے لباس وہ اب بھی زیبِ تن کرتی تھی جو آنند کو پسند تھے اور جن میں اس کی عمر کے بڑھتے ہوئے مہ و سال بے اثر سے لگتے تھے۔ آنند کے وہ چند دوست جو ان دونوں کے بہت قریب تھے اب بھی رما سے ملنے آتے تھے اور اسی ذہنی ہم آہنگی کے بل پر رما نے کبھی دنیا کی اونچی باتوں کی پرواہ نہیں کی۔

مانٹو کامپلکس میں اسوانی کا آفس ساتویں فلور پر تھا۔ رما نے دروازہ کھولا تو اسوانی جیسے انتظار کر رہا تھا۔ مسکرا کر۔

"نمستے۔ آیئے بھابھی۔ مجھے معلوم تھا آپ مقررہ وقت سے ایک منٹ بھی دیر نہیں کرتیں۔"

"تھینک یو۔ اسوانی صاحب۔ رما نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ چپراسی چائے لے آیا اور ایک ایک پیالی دونوں کے سامنے رکھ کر چلا گیا۔

آرتی غصہ میں بھری روپیش کو دیکھتی رہی۔

(۵)

منوج نے اپنے آرٹیکل کا آخری جملہ لکھ کر قلم میز پر رکھ دیا۔ ہونٹوں سے جلتا ہوا سگریٹ نکال کر ایش ٹرے میں رگڑ دیا اور گردن پیچھے کی طرف کرتے ہوئے دونوں ہاتھ انگڑائی کے انداز میں پھیلا دیے۔۔۔ لی نا کی طرف دیکھا، جو پاس ہی اپنی کرسی پر بیٹھی مسلسل ٹائپ کیے جارہی تھی۔ منوج کے آفس کے اس چھوٹے سے کمرے میں ٹائپ کی مسلسل کھٹ کھٹ کی آواز اب اس کے کام میں مخل ہونے کی بجائے ردھم کا کام کرنے لگی تھی۔۔۔۔

" لی نا۔ یہ آرٹیکل بھی کمپلیٹ ہو گیا۔۔۔ In - roads in Indian culture چھپنے کے بعد، مجھے یقین ہے ایک ہلچل مچادے گا۔۔۔ اس وقت کیا ٹائپ کررہی ہو؟ "

" ویکلی ریویو۔ سن رائز والوں کے لیے " لی نا نے جواب دیا۔

" ٹھیک ہے۔ اس کے بعد اسے بھی ٹائپ کردینا۔ آج تم جلدی گھر چلی جاؤ۔ تم نے بتایا تھا، کل لزلی کو واپس جانا ہے، اپنی ٹریننگ پر؟ "

لی نا منوج کو دیکھنے لگی۔۔۔ " جی ہاں۔"

" تو جاؤ۔ آج شام اس کے ساتھ گزارو۔ خوب گھومو، پھرو۔۔۔ خوشیوں کا ایک ایک پل بڑا قیمتی ہوتا ہے۔ یہ وقت پھر نہیں آتا لی نا! اسے اپنے دامن میں باندھ کر امر کرلو۔"

" تھینک یو سر۔"

اس دن کی پوسٹ لے کر لی نا منوج کے پاس آگئی۔ منوج جلدی جلدی لیٹرز دیکھ کر ایک طرف ڈالنے لگا۔

" سر۔ یہ لیٹر کشوری سیٹھ کا آدمی آکر پرسنلی دے گیا ہے۔ "۔۔۔ منوج کے ہاتھ میں ایک لفافہ دیکھ کر لی نا نے جلدی سے کہا۔ منوج نے لفافہ کھولا۔

" یس۔ اسپیشل انوی ٹیشن!" وہ مسکرانے لگا۔ " اس کی لڑکی کا ڈانس پرفارمنس ہے۔۔۔ سیلکٹ آڈینس میں۔ اور آخر میں ڈنر۔"

" نوٹ کرنے کی ضرورت نہیں، میں نہیں جاؤں گا۔۔۔ اس کی لڑکی کو ڈانس وانس آتا نہیں ہے اور چاہتا ہے میں اس کی تعریف میں ایک بڑا سا رائٹ اپ چھپوادوں،۔۔۔ جو مجھ سے نہیں ہوسکتا۔ پچھلی دفعہ ایک ہینڈسم اماؤنٹ کا لالچ بھی دیا تھا۔۔۔ ایڈیٹ!"

منوج نے نیا سگریٹ سلگا لیا۔ کش لے کر لی نا کی طرف دیکھا تو بے وہ چین سی کھڑی تھی۔۔۔ " ڈاکٹر نے آپ کو زیادہ اسموکنگ سے منع کیا ہے سر۔"

منوج لی نا کی طرف دیکھنے لگا۔ چند سکنڈ بعد ایک کش لے کر سگریٹ کو ایش ٹرے میں بجھادیا اور پوسٹ سے آئے ہوئے لیٹر اٹھاکر جلدی جلدی دیکھنے لگا۔ ایک لیٹر لی نا کی طرف بڑھادیا۔۔۔ " تاریخ اور مقام نوٹ کرلو۔"

لی نا اپنی میز پر چلی گئی اور ڈائری میں نوٹ کرنے لگی۔ منوج نے ٹیلی فون اٹھاکر رما کا نمبر ڈائل کیا۔۔۔

" ہلو۔۔۔ نمستے رما جی۔ پندرہ تاریخ کو آرٹ گیلری میں بھوشن کمار کی پینٹنگس کی اگزی بیشن شروع ہورہی ہے۔ میں چاہتا ہوں آپ کمار کی پینٹنگس کو ضرور دیکھیں۔"

" تھینکس مسٹر منوج۔ دھیرج گھوش نے بھی فون کیا تھا۔۔۔ اسی بارے میں۔" رما نے جواب دیا۔

منوج کے چہرے پر ہلکی سے مسکراہٹ آگئی۔۔۔ " اوہ۔ تب تو ضرور جائیے۔

۔۔۔ مجھے کمار کے ورکس پر آرٹیکل لکھنا ہے اور آپ کے امپریشنس بھی سننا چاہتا ہوں۔"

لی نا ڈائری بند کر کے منوج کی گفتگو سننے میں محو تھی۔۔۔" میں شاید نہ آسکوں گا ۔۔۔ جی ہاں۔ ہماری سوسائٹی کی میٹنگ ہے۔۔۔ جی اچھا اور شکریہ۔"

فون رکھ کر منوج جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ " اچھا لی نا میں چلتا ہوں۔ تم بھی وہ ریویو ختم کر کے چلی جانا۔" ۔۔۔ پھر اک دم رک کر آہستہ سے پوچھا " کیا بات ہے، کچھ کہنا چاہتی ہو؟ "

" کچھ نہیں سر۔" لی نا رکتے رکتے بولی۔ جیسے سٹ پٹاسی گئی ہو۔۔" میں سوچ رہی تھی، ۔۔۔ مسز رما آنند کے امپریشنس، ۔۔۔ کیا سچ مچ اتنے قیمتی ہوں گے۔۔۔! "

کچھ کہنے سے پہلے منوج واپس کرسی پر بیٹھ گیا۔۔۔ " ہاں۔ تم شاید واقف نہیں ہو " She is an intellectual and a gifted writer چند سکنڈ خاموش رہ کر منوج کہتا چلا گیا۔۔۔ " میں انھیں بڑے زمانے سے جانتا ہوں۔ جب آنند سے ان کی شادی بھی نہیں ہوئی تھی، تب سے۔ انھوں نے کئی ریمارکیبل پلیز لکھے۔ بالکل نئے ڈھنگ سے خود ہی ڈائرکٹ بھی کرتی تھیں۔ میں ان پر ریویو لکھتا تھا۔۔۔ آنند کی بے وقت موت نے انھیں اک دم چپ کر دیا ہے۔ قدرت نے یہ ظلم رما آنند پر نہیں، پورے کریٹیو آرٹ پر کیا ہے۔۔۔"

منوج کی آواز میں ہلکی سی کاٹ آگئی تھی۔ لی نا کو لگا جیسے وہ کہیں دور سے بول رہا ہے۔۔۔" مگر مجھے یقین ہے وقت کی راکھ تلے چنگاری بجھی نہیں ہے۔ کسی بہانے، کہیں سے بھی، کوئی تازہ جھونکا اڈ کر آئے گا اور راکھ کے اس ڈھیر کو اڑا لے جائے گا۔ چنگاری پھر سے دہک اٹھے گی۔"

لی نا بت بنی بیٹھی تھی۔

(۶)

بھوشن کمار کے آرٹ کی اگزی بیشن میں رما دیر سے پہنچی۔ افتتاحی تقریریں وغیرہ، ہوچکی تھیں اور لوگ آہستہ آہستہ گھوم کر پینٹنگس دیکھ رہے تھے۔ شاید وہ دیر سے اسی لیے آئی تھی کہ بیٹھ کر تقریریں سننے سے بچ جائے۔

ہال کو سلیقے سے سجایا گیا تھا۔ ایک طرف مہمانوں کے لیے چائے اور ڈرنکس کا انتظام تھا۔ اپنے بہترین لباسوں اور فیشنوں میں سجی سنوری عورتیں چھوٹے چھوٹے گروپس میں کھڑی بہ ظاہر باتوں میں مشغول تھیں مگر ان کی چبھتی ہوئی نظریں دوسری عورتوں کے فیشنوں پر پڑ رہی تھیں۔ طرح طرح کے غیر ملکی پرفیومس سے فضا بوجھل ہوگئی تھی۔

کالج کے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں بڑی سنجیدگی سے تصویریں دیکھنے اور پوشیدہ خوبیوں کی تلاش میں منہمک تھے۔ ایک پورٹریٹ کے سامنے رما رکی ہوئی اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔ پورٹریٹ کسی درمیانی عمر کے عام آدمی کا تھا جو بے چین، غم آلود نظروں سے کہیں دیکھ رہا ہے۔ جیسے فکروں کے جال میں قید ہے۔۔۔ یکایک پیچھے سے ایک آواز نے رما کو چونکا دیا۔

"بڑی عجیب بات ہے رما جی۔ جس پورٹریٹ نے آپ کے قدم جکڑ لیے ہیں اسے میں بھی اپنے ماسٹر پیسس میں شمار کرتا ہوں۔" پیچھے بھوشن کمار کھڑا تھا۔

"اوہ۔ آپ! رما نے پلٹ کر کہا "مگر یہ ہے بھی ماسٹر پیس!"

"تھینکس۔۔۔ تھینک یو مسز رما آنند۔" بھوشن کمار خوش ہو کر بولا جیسے رما نے اسے کوئی ایوارڈ دے دیا۔۔۔ "ایک بات بتائیے۔ اس تصویر کی کس چیز نے آپ کو اسٹرائک کیا؟"

"اکسپریشن، مسٹر بھوشن کمار۔۔۔" رما نے جواب دیا۔۔۔ "ایک عام آدمی کے چہرے پر آپ نے وہ اندرونی دکھ دکھایا ہے جو آج کی دنیا میں جینے کی سزا ہے۔ اور ان دور دیکھتی ہوئی آنکھوں میں ان دکھوں کا عکس اتر آیا ہے جو باہر کی دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔۔۔! Misery in and misery out اور اس کے لیے ہلکے بھورے رنگوں کا استعمال آپ نے بہت خوب کیا ہے!"

دھیرج گھوش جو اس دوران میں چپ چاپ وہاں آ کھڑا ہوا تھا، اک دم بول پڑا۔۔۔ "ماروےلس، رما دیوی۔ آپ کی نظر میں کتنی گہرائی ہے!۔۔۔ اور کس خوبی سے ڈسکرائب کیا ہے آپ نے " What an inispiring compliment to Bhushan Kumar ! "

بھوشن کمار بولا "آپ کی تعریف سچ مچ میرے لیے بڑی قیمتی ہے، رما دیوی جی۔۔۔۔ اس لیے کہ پورٹریٹ آرٹ اتنا زیادہ پاپولر سبجکٹ نہیں ہے۔"

"مگر ناولسٹ ہنری جیمس کے خیال میں سب سے بڑا آرٹ بھی یہی ہے اور اس میں رنگوں کا سلیکشن میرے خیال میں اور بھی مشکل۔" رما نے جواب دیا۔

دھیرج گھوش رما کو تعجب سے دیکھ رہا تھا۔ کتنے عرصے بعد اس نے اتنی باتیں کہہ ڈالیں! بھوشن کمار اس کے ساتھ تھے۔ پاس ہی عورتوں کا ایک گروپ کھڑا تھا۔ جن کی باتیں رما کے کانوں تک آ رہی تھیں۔۔۔

ایک عورت کہہ رہی تھی "او۔ گاڈ۔۔۔ اتنی خوب صورت ساڑی آپ نے کہاں سے خریدی؟"

دوسری عورت بولی۔۔۔ "میرا سارا ویرنگ میٹیریل تو سنگاپور سے آجاتا ہے، ۔۔۔ جب بھی میرے ہس بینڈ جاتے ہیں، بزنس ٹرپ پر۔ ساڑیاں، پرفیومز۔۔۔ شوز۔۔"

رما آگے نہیں سن سکی۔ وہ آگے بڑھ گئی تھی۔ اور اب ایک دوسرے گروپ کی باتیں اس کے کان تک پہنچ رہی تھیں۔ اس گروپ میں آرتی اور اندرانی گھوش بھی شامل تھیں۔

کوئی عورت کہہ رہی تھی۔۔۔ "یہ مسز رما آنند نے فنکشنس میں آنا کب سے شروع کر دیا؟"

ایک اور آواز آئی "پتہ نہیں رہا، مگر ٹھسّا وہی ہے!۔۔۔ اسے ڈریسنگ کرنے کا آرٹ خوب آتا ہے۔"

"اور مردوں کو اپنے اطراف اٹریکٹ کرنے کا آرٹ بھی۔" یہ آرتی کی آواز تھی۔ اگلی تصویر تک پہنچنے سے پہلے ہی رما کو اندرانی گھوش کی آواز سنائی دی۔

"منوج کہاں ہے؟ وہ نظر نہیں آرہا ہے؟" اندرانی نے زور سے کہا، اس ڈر سے کہ شاید کہیں اس کی آواز رما کے کانوں تک نہ پہنچ سکے۔

ایک عجیب تشفی کا سا احساس لیے رما آگے بڑھ گئی۔

آرٹ گیلری میں اب لوگوں کی تعداد کم ہونے لگی تھی۔ بھوشن کمار کے اصرار پر رما کچھ دیر کے لیے رک گئی تھی۔ اس دوران میں روپیش بھی وہاں آگیا تھا۔ ایک چھوٹی سی میز کے گرد وہ سب بیٹھے آرٹ پر دھیرج گھوش کے خیالات کو کولڈرنک کی چسکیوں میں گھول رہے تھے۔ گھوش کہہ رہا تھا۔۔۔

"آرٹ کوئی بڑا یا چھوٹا نہیں ہوتا۔ صرف آرٹ ہوتا ہے۔ اسے بڑا یا چھوٹا بنانے والا ہوتا ہے آرٹسٹ۔ مصور اپنے برش سے کینوس پر رنگوں کی زبان میں ان کہی باتیں کہہ ڈالتا ہے۔ شاعر یا ناولسٹ قلم سے نکلے ہوئے لفظوں کے جادو سے یہی کام لیتا ہے اور ڈراماٹسٹ ان باتوں کو جذبات کی زبان دے دیتا ہے۔۔۔"

"گڈ۔۔۔ ویری گڈ۔۔۔" اک دم برابر کی میز سے ایک شخص اٹھ کر دھیرج گھوش کی طرف بڑھا۔۔۔ "ویری بیوٹی فلی سیڈ،۔۔۔ مسٹر۔۔۔؟"

کسی نے ابھی دھیرج گھوش کا نام بھی نہیں بتایا تھا کہ وہ شخص رما کو دیکھ کر رک گیا۔ اور اک دم چونک کر بولا۔۔۔ "ارے، رما؟!"۔۔۔ اور رما کی طرف بڑھ گیا۔

"وہاٹ لک! کتنے دن سے تمھیں تلاش کر رہا تھا!"

رما نروس سی ہو کر کھڑی ہو گئی۔۔۔ "اوہ!۔۔۔ پروفیسر صاحب!۔۔۔ نمستے۔"

عورت بیٹھی تھی، نشے میں ڈوبی ہوئی، بے سدھ سی۔ چہرے پر بالوں کی ایک لٹ بکھر کر گر پڑی تھی۔ جس میں سے اس کی چڑھی ہوئی آنکھوں کی سرخی جھلک رہی تھی۔ راجن اس کے پاس پہنچا تو ایک دم چیخ کر بولی "I hate. I hate ... I hate every thing !"

... پھر جیسے نڈھال ہوکر دونوں ہاتھ زور سے میز پر پٹک کر ان میں سر چھپالیا۔ ایک گلاس میز پر لڑھک گیا جس میں بچی ہوئی تھوڑی سی شراب میز پر پھیلنے لگی۔

پروفیسر کا چہرہ پرُسکون تھا۔ اس نے جھک کر ایک ہلکے سے جھٹکے کے ساتھ عورت کو کرسی پر سیدھا بٹھاتے ہوئے پلٹ کر رما، گھوش اور روپیش سے کہا...

"ڈونٹ بادر۔ شی از آل رائیٹ۔" اور پھر عورت کے کان میں آہستہ سے کچھ کہنے لگا۔

عورت کا چہرہ اب صاف نظر آرہا تھا۔ انیتا؟! ... رما کے منھ سے نکلا۔ اس کی آواز حیرت میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"رما جی۔ اب چلیے یہاں سے۔" ... روپیش جو اب تک خاموش بیٹھا تھا اچانک بولا۔ اور اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

دھیرج گھوش اور روپیش رما کے ساتھ آرٹ گیلری کے انٹرینس تک آئے۔ اس دوران میں تینوں خاموش رہے۔ ہال میں کھڑی آرتی اور اندرانی کی نگاہیں ان کا تعاقب کررہی تھیں۔ بالآخر گھوش نے رما سے پوچھا... "کیا بات ہے، رما جی۔ آپ اچانک کچھ ڈسٹرب سی ہوگئی تھیں...؟"

"میں بالکل ٹھیک ہوں مسٹر گھوش۔" رما نے جواب دیا۔

"اس انیتا کو آپ جانتی ہیں؟"

"وہ میری کلاس میٹ تھی، ایم۔ اے میں۔"

"آئی سی۔ یعنی راجن کی اسٹوڈنٹ"... گھوش اپنی کرید میں لگا رہا۔

"گھوش صاحب۔ باقی باتیں پھر کبھی پوچھ لیجیے۔ رما دیوی کو جانے میں دیر ہورہی ہے۔" ... روپیش جو عام طور پر خاموش رہتا تھا، بیچ میں بول پڑا۔ گھوش کھسیانا سا

رما کا ہاتھ لے کر پروفیسر نے بڑی گرم جوشی سے شیک ہینڈ کیا۔۔ " کیسی ہو رما ؟"
" آپ کیسے ہیں ؟ " اور ۔۔ پلٹ کر سب سے پروفیسر کا تعارف کراتے لگی ۔۔
۔۔۔ " ڈاکٹر راجن ، پروفیسر آف انگلش لٹریچر اور یہ ہیں مسٹر دھیرج گھوش ۔ مشہور ناولسٹ ۔"

راجن نے ہاتھ ملاتے ہوئے دھیرج گھوش سے کہا ۔۔۔" میں نے سنا ہے آپ کا نام ۔"۔۔۔ اور پھر پلٹ کر بھوشن کمار سے مخاطب ہوا ۔ " اور آپ کی پینٹنگس دیکھنے تو آیا ہی ہوں ۔"

رما نے روپیش کا تعارف کرایا ۔۔۔ " فلم اور اسٹیج کے ٹیلنٹڈ آرٹسٹ مسٹر روپیش ۔"

" ایکس کیوز می ۔۔۔" کہتے ہوئے بھوشن کمار اٹھ کر کھڑا ہوگیا ۔۔۔ " میرے کچھ گیسٹ میرے انتظار میں کھڑے ہیں ۔ شاید واپس جانا چاہتے ہیں ۔۔۔"

بھوشن کے جانے کے بعد پروفیسر راجن گھوش سے بولا ۔۔ " آپ جانتے ہیں مسٹر گھوش ، رما دیوی میری سب سے بری لٹینٹ اسٹوڈنٹ رہی ہیں ؟ "

گھوش کے کچھ کہنے سے پہلے رما بول پڑی ۔۔۔ " پروفیسر صاحب ۔ آپ تو امریکہ میں سیٹل ہوگئے تھے ؟ "

" ہاں ۔ مگر سات سال گزار کر اب واپس آگیا ہوں ، یہاں کی یونیورسٹی میں ۔"

" امریکہ پسند نہیں آیا ۔۔۔ یا کوئی اور وجہ ہوئی ؟ " گھوش نے پوچھا ۔

"Well, that's another story" کہتے ہوئے راجن کی نگاہیں گھوش سے ہٹ کر رما پر ٹک گئیں ۔ " کبھی فرصت سے سناؤں گا ۔۔۔ کہو کب ملوگی ؟ " اور پھر اک دم پلٹ کر دیکھتے ہوئے اونچی آواز میں بولا " انیتا ۔۔۔ یہاں آؤ ۔ تمھارے لیے ایک سرپرائز ہے ۔"

رما چونک پڑی ۔ ' انیتا !!! '

مڑکر دیکھا تو برابر کی میز پر شراب کی بوتل اور گلاسوں کو سامنے دھرے ایک

دونوں ایک گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔

ہال کے انٹرینس میں سب لوگ چپ چاپ کھڑے تھے۔ اندرانی نے نظریں گھما کر دیکھا تو آرتی بپھری ہوئی ناگن کی طرح پیچ و تاب کھا رہی تھی۔

خاموشی کو توڑتے ہوئے گھوش نے راجن سے کہا۔۔۔ "پروفیسر راجن۔ آپ امریکہ میں تھے۔ شاید آپ کو معلوم نہیں ہوا۔ آنند اب اس دنیا میں نہیں رہا۔"۔۔۔

راجن کی نگاہیں گھوش کے چہرے پر گڑ گئیں۔۔۔ "تین سال ہو گئے۔"

(۵)

رما راستے میں چپ رہی۔ روپیش بھی خاموشی میں کار چلاتا رہا۔ گھر آ گیا تو رما بولی ۔۔۔ "شکریہ روپیش، تمھیں بڑی تکلیف ہوئی میری وجہ سے۔"

"آپ ایسی باتیں مجھ سے نہ کہیں رما جی۔۔۔ آپ کسی کو تکلیف دیتی ہی کہاں ہیں!" روپیش نے جواب دیا۔

"تمھاری کار تو وہیں رہ گئی۔ کیسے کرو گے؟" رما نے پوچھا۔۔۔ "گھر جا رہے ہو تو یہی کار لے جاؤ۔ کل بھجوا دینا۔"

"نہیں رما جی میں کسی طرح چلا جاؤں گا۔ کار وہاں چھوڑنا نہیں چاہتا۔۔۔ اور پھر آرتی نے کہا تھا، اسے گھر پر چھوڑنے کے لیے۔۔۔" روپیش نے کار سے اترتے ہوئے کہا ۔۔۔ "ویسے مجھے معلوم ہے، اب میرے جانے تک وہ وہاں نہیں رکے گی، چلی جائے گی اندرانی اور گھوش صاحب کے ساتھ۔"

رما بھی کار سے اتر گئی۔۔۔ "روپیش۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ فلموں کی

ہو گیا۔ جلدی سے بولا۔

"او۔ یس۔۔۔ آئی ایم ساری۔ چلیے رما دیوی۔ میں آپ کو گھر چھوڑ آتا ہوں۔"

"شکریہ۔۔۔ مگر اس کی ضرورت نہیں۔ میں چلی جاؤں گی۔" رما نے جواب دیا۔

"کیسے؟۔۔۔ رات کے وقت آپ کار نہیں چلاتیں۔ اور پھر آپ اکیلی ہیں!" ۔۔۔ گھوش نے اصرار کیا۔

رما چند لمحے خاموش رہی "میں اکیلی کبھی نہیں رہتی گھوش صاحب۔۔۔ میں چلی جاؤں گی۔ آپ کوئی فکر نہ کریں۔۔۔ او، ہاں۔ آپ کا بے حد شکریہ۔۔۔۔"

رما نے جانے کے لیے قدم بڑھایا ہی تھا کہ پیچھے سے پروفیسر کی آواز سنائی دی۔ ۔۔۔ "ذرا ٹھہرو۔۔۔ تم جا رہی ہو؟۔ مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی تھیں۔۔۔ بتاؤ کیسے ہو گا؟ ۔۔۔ اچھا یوں کرو۔۔۔ کل مجھ سے فون پر کانٹیکٹ کرو۔" اور جیب سے کارڈ نکال کر دیتے ہوئے بولا "کارڈ امریکہ کا ہے۔ مگر اس پر یہاں کا نمبر لکھ دیا ہے میں نے۔"

کارڈ لے کر رما بولی۔۔۔ "میں کچھ دنوں کے لیے باہر جا رہی ہوں۔۔۔ شاید کل ہی چلی جاؤں۔ اس لیے۔۔۔"

"کوئی بات نہیں۔ جب آجاؤ تب ہی سہی۔۔۔ مگر بھولنا نہیں۔"

رما نے کوئی جواب نہیں دیا۔ آہستہ سے مڑ کر جانے لگی تو پروفیسر کی آواز پھر ایک بار آئی۔۔۔ "اور ہاں۔ آنند کو میری طرف سے وش کرنا۔"

رما جاتے جاتے رک گئی۔ چند سکنڈ ویسے ہی کھڑی رہی۔ پھر بہت دھیرے سے گھوم کر پروفیسر کو دیکھا اور ہولے سے گردن ہلا کر ہاں کیا۔ اس کی نظریں پُرسکون تھیں۔

روپیش نے ایک دم بے چین ہو کر گھوش کی طرف دیکھا۔ اندرانی اور آرتی بھی اتنی دیر میں وہیں آکر چپ چاپ کھڑی تھیں۔ کسی سے کچھ کہے بغیر روپیش تیز قدموں سے رما کی طرف چل دیا، جو کمپاؤنڈ میں پارک کی ہوئی موٹروں کی طرف جا رہی تھی۔۔۔

"رما دیوی۔۔۔؟"

رما نے پلٹ کر روپیش کو دیکھا تو رک گئی۔ روپیش نے پاس جا کر کچھ کہا اور

مصروفیت کے باوجود تم نے آرٹ کی دنیا سے ناتا نہیں توڑا۔"

"مجھے بھی خوشی ہورہی ہے کہ آپ نے اس دنیا میں پھر دلچسپی لینی شروع کردی ہے ۔۔۔ بہت اچھا کیا۔ ورنہ گھر میں رہتے ہوئے تنہائی اور بڑھ جاتی ہے، رما جی۔" روپیش بولا۔

"نہیں روپیش۔ تنہائی تو گھر کے باہر بڑھ جاتی ہے۔"

روپیش چونک کر رما کی طرف دیکھنے لگا۔۔۔ "آپ کے ایک ڈرامے کا ڈائیلاگ یاد آرہا ہے۔۔۔ سزا مرنے والے کو نہیں ملتی، جنھیں وہ پیچھے چھوڑ جاتا ہے، ان کو ملتی ہے۔"

(۸)

آرتی کو اس رات نیند کے لیے دو گولیاں کھانی پڑی تھیں۔ صبح دیر تک سوتی رہی۔ اٹھی تو سر میں درد اور بھاری پن تھا۔ دل اور ذہن پر چھایا ہوا غبار الگ۔ سیدھی اندرانی کے یہاں چلی گئی۔ خود اندرانی پچھلی رات آرٹ گیلری سے لوٹی تو شوہر کی حرکتوں اور باتوں سے دل ہی دل میں سخت برہم ہورہی تھی۔ جلے پھپھولے پھوڑتے دونوں کو دیر نہیں لگی۔

"ہاں۔ مجھے یاد ہے۔ پروفیسر راجن رما کو بہت لائک کرتا تھا۔۔۔" اندرانی کہہ رہی تھی۔۔۔ "جب وہ لوگ دلی میں تھے۔ میں نے یہ بھی سنا تھا کہ اسی کی کوششوں سے رما کو ایم۔اے، میں گولڈ میڈل ملا تھا!" ۔۔۔ پھر ذرا سے توقف کے بعد بولی۔۔۔ "مگر کل روپیش کو یہ کیا سوجھی؟ ۔۔۔ تمھیں چھوڑ کر رما کو ساتھ لے جانے کی کیا ضرورت تھی اسے؟"

آرتی کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا۔ کسی بھی قسم کے جذبے کو قابو میں رکھنا اس کے لیے مشکل تھا۔۔۔ "بروٹ! اس نے میری ان سلٹ کی ہے۔۔۔ سب کے سامنے۔" آرتی کے منھ سے نکلا۔۔۔ "اور اپنی حرکت پر مجھ سے معافی بھی نہیں مانگی اب تک؟۔۔۔ بدتمیز!۔ میں اسے کبھی معاف نہیں کر سکتی۔"

غصے میں آرتی کو محسوس بھی نہیں ہوا کہ اندرانی اس کی باتوں سے لطف اندوز ہو رہی ہے۔

"کسے معاف نہیں کر سکتی؟ روپیش کو یا۔۔۔ رما کو؟" اندرانی آہستہ سے بولی۔

"ہاں رما نے بھی ان سلٹ کی ہے۔ وہ سمجھتی کیا ہے اپنے کو؟"

اندرانی نے تیل کا ایک اور چھینٹا چھڑکا۔۔۔ "کل ہم سب تھے وہاں،۔۔۔ مگر ایک بات تک نہیں کی اس نے!"

"کس بات کا غرور ہے اسے؟۔۔۔ دولت کا؟" آرتی کی آواز میں تلوار کی کاٹ آ گئی تھی۔

"منوج کا۔ جس نے اسے شہرت دی۔" اندرانی کی آواز میں جاڑوں کی سرد ہوا کا نشتر تھا۔

یکایک برابر کے دروازے سے گھوش داخل ہوا۔ جو کہیں باہر جانے کے لیے تیار ہو کر آیا تھا۔ بریف کیس تپائی پر رکھتے ہوئے بولا۔۔۔ "ہلو آرتی۔۔۔ کب آئیں تم؟۔۔۔ کیا باتیں ہو رہی ہیں؟"

"ہماری باتیں چھوڑیے۔۔۔" جواب اندرانی نے دیا "آپ کہیے کیا باتیں ہوتی رہیں کل آپ کی رما سے، اتنی دیر تک۔۔۔؟"

گھوش چند سکنڈ تک بیوی کو دیکھتا رہا۔ پھر کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔۔۔ "آرٹ پر۔ آرٹ کے مختلف پہلوؤں پر۔"

"ہوں۔ تو آپ نے خوب لکچر پلائے ہوں گے۔ اسے امپریس کرنے!"

"نہیں اندرانی۔۔۔" گھوش کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔ "کل

پورٹریٹ پینٹنگ پر رما دیوی نے ایسے پوائنٹس اجاگر کیے کہ بھوشن کمار بھی حیران رہ گیا!"

اندرانی کا کھسیانا پن غصے میں بدلنے لگا تو اب آرتی کو لطف آنے لگا۔ اندرانی بولی۔۔۔

" تو اب اگلا فنکشن کب ہے، آرٹ یا کلچر پر؟۔۔۔ جہاں آپ کی ملاقات اس سے ہوگی،۔۔۔ اور وہ لوگوں کو حیران کردے گی؟"

" یہ آپ لوگوں کے ذہنوں پر رما کیوں سوار رہتی ہے، اتنی؟" گھوش کے لہجے میں کسی قدر جھلاہٹ آگئی تھی۔ رک کر آرتی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔۔۔ "اور آرتی تم نے اندرانی کو یہ نہیں بتایا کہ اب کئی دن تک رما شہر میں نہیں رہے گی، وہ کہیں باہر جارہی ہے؟"

آرتی اور اندرانی دونوں نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ ان کے چہروں پر چھایا ہوا تعجب بناوٹی نہیں تھا۔ اندرانی نے سنبھل کر اپنے شوہر سے کہا۔۔ " اچھا؟۔۔۔ تو یہ اس نے آپ کو بتایا؟۔۔۔ ہمیں تو معلوم نہیں۔"

آرتی بولی۔۔۔ "تو پھر یہ بھی بتایا ہوگا کہ کہاں جارہی ہے۔۔۔ اور کیوں؟"

گھوش نے جواب دیا۔۔۔ " اتنی کھوج کیوں ہے آخر؟ مجھے کچھ نہیں معلوم۔۔۔ نہ میں نے پوچھا نہ اس نے بتایا۔"

" منوج کو معلوم ہوگا"۔۔۔ اندرانی بولی۔

آرتی نے جلدی سے کہا۔۔۔ " یو آر رائٹ۔ بلکہ کسے معلوم، وہ بھی ساتھ جارہا ہوگا!"

گھوش نے بگڑ کر آرتی کو دیکھا۔۔۔ " وہ کیوں جانے لگا؟۔۔۔ اسے اتنی فرصت ہی کہاں؟۔۔۔ اور پھر یہ کیسے سمجھ لیا، وہ رما کے ساتھ ہر جگہ جائے گا؟ تم لوگ منوج کے پیچھے مت پڑا کرو۔ پہلے ہی اس کا دل دکھی ہے۔"

" بے چارا منوج!" اندرانی طنز بھرے تھیٹریکل انداز میں بولی۔۔۔ اور پھر

گھوش کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔۔۔ "اور کیا آپ کو یقین ہے، وہ دکھی دل لیے پھرتا ہے؟"

گھوش تھوڑی دیر کڑواہٹ بھری خاموشی میں اپنی بیوی کو دیکھتا رہا۔ کڑواہٹ اس کی نگاہوں میں بھی جھلک رہی تھی۔۔۔ "جس آدمی کی بیوی، جس سے وہ پیار کرتا تھا اس کے سب سے اچھے دوست کے ساتھ چلی جائے۔۔۔ وہ کس طرح کا دل لیے پھرتا ہوگا، کبھی سوچا ہے تم لوگوں نے؟"

(۹)

اس دن اسوانی سے منوج کی مڈبھیڑ محض اتفاقاً ہوگئی تھی۔ کنگس وے پر ایک بزنس فرم کی افتتاحی تقریب تھی۔ فرم کا مالک منوج کا پرانا دوست تھا۔ تقریب میں شرکت کے بعد منوج لوٹ رہا تھا کہ کار کے پاس اسوانی سے ملاقات ہوگئی۔ دونوں کئی دن بعد ملے تھے۔ جاکر ایک ریسٹوراں میں بیٹھ گئے۔ باتوں کے موضوع کو گھوم پھر کر رما پر آنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ اور جب اسوانی کو پتہ چلا کہ رما نے اپنے دلی جانے کے خیال کا منوج سے کوئی ذکر نہیں کیا ہے، تو اسے ہلکا سا تعجب ضرور ہوا۔

"اس سے پہلے کہ اس مکان کا ڈیل ہوجائے، وہ ایک دفعہ وہاں جاکر اس میں رہنا چاہتی ہے۔۔۔ ایک دو دن کے لیے۔" اسوانی نے منوج کو بتایا جو کسی قدر تعجب سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تو وہ دلی والا مکان۔۔۔ میرا مطلب ہے چھتری والی کوٹھی رما دیوی کی موسی کی نہیں تھی؟"۔۔۔ منوج نے پوچھا۔

حالاں کہ اس کے لیے خود اسی نے اسوانی سے کہہ رکھا تھا۔ پھر بھی دن بھر یہ خیال پھانس بن کر چبھتا رہا کہ جس جگہ اس کی زندگی کے سب سے اچھے دن گزرے تھے، اب پرائی ہوجائے گی۔۔۔

وہیں آنند پہلی بار اس کی زندگی میں داخل ہوا تھا۔ اور وہیں کے در و دیوار اس کے ڈیڈی کی آواز سے گونج اٹھتے تھے جب وہ اچانک وقت نکال کر دلی آجاتے اور دروازے سے ہی اسے پکار اٹھتے تھے۔۔۔ "رما بیٹی؟"

رات آئی تو یادوں کی ایک انجمن ساتھ لے آئی۔۔۔ جانے کب تک بستر پر لیٹے لیٹے وہ دریچے کی باہر دیکھتی رہی، جہاں آسمان پر پھیلی تاریکی سے یادوں کی ننھی ننھی روشنیاں نبرد آزما تھیں۔ کبھی جھل ملانے لگتیں اور کبھی روپوش ہوجاتیں۔۔۔

اس دن بھی روز کی طرح اسے کالج کے لیے دیر ہوگئی تھی اور ناشتے کی میز پر پہنچی تو سب لوگ ناشتہ ختم کرکے چائے پی رہے تھے۔۔۔ آنٹی، منورما، رنجنا اور جگدیش انکل جو ایک دن پہلے امریکہ سے آئے تھے اور چھتری والی کوٹھی میں ٹھہرے ہوئے تھے اور جنھیں رما نے پہلے کبھی دیکھا نہیں تھا۔ آنٹی نے بتایا تھا کہ رشتے میں ان کے بھائی ہوتے ہیں۔ ویسے کوٹھی میں سدا ہی کوئی نہ کوئی مہمان ضرور براجمان رہتا تھا۔ موسی کے دور اور نزدیک کے رشتے داروں کی فہرست بڑی لمبی چوڑی تھی۔

رما کو معلوم ہوگیا تھا کہ جگدیش انکل دراصل اپنے بیٹے کے رشتے کے لیے جو امریکہ میں رہتا ہے، کسی موزوں لڑکی کی تلاش میں ہندوستان آئے تھے۔ آنٹی ان کی آؤ بھگت میں لگی ہوئی تھیں اور ان کی بیٹیوں منورما اور رنجنا کے دل میں امید کے لڈو پھوٹ رہے تھے۔

رما کو آتا دیکھ کر منورما نے آہستہ سے رنجنا کے کان میں کہا۔۔۔ "انٹلکچول۔"

مگر آواز رما کے کانوں تک پہنچ گئی اور اس میں چھپا ہوا طنز بھی۔ اپنی کتابیں اور بیگ میز پر رکھ کر رما خاموشی سے چائے پیالی میں ڈالنے لگی۔ آنٹی نے سینڈوچس کا پلیٹ

" نہیں ۔۔۔ مسز رما کے ڈیڈی کی تھی ۔۔۔ رما دیوی کی ماتا جی بہت پہلے چل بسی تھیں اور ڈیڈی کو آرمی سروس میں زیادہ تر باہر رہنا پڑتا تھا ۔ اس لیے دلی کے اس مکان میں رما دیوی کے ساتھ رہنے کے لیے ان کی موسی کا پورا خاندان آکر بس گیا تھا ۔" اسوانی نے جواب دیا ۔

منوج بولا " اور میں سمجھتا تھا رما دیوی اپنی پڑھائی کی خاطر موسی کے یہاں ٹھہری ہوئی ہیں ۔"

" دراصل رما دیوی کے ڈیڈی بہت محبت والے آدمی تھے ۔ ان کو سبھی سے پیار تھا ۔ بیٹی پر تو وہ جان چھڑکتے تھے ۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ ہاسٹل میں رہے ، یا اتنے بڑے مکان میں اکیلی رہے ۔۔۔" ذرا سے توقف کے بعد اسوانی نے کہا " اس کوٹھی سے رما دیوی کی بڑی یادیں جُڑی ہوئی ہیں ۔۔۔ اب اتنے دن بعد وہ وہاں کس کے لیے جارہی ہیں !"

" انھیں جانے دیجیے اسوانی صاحب ۔۔۔ وہی یادیں انھیں بلارہی ہیں !"

" مگر وہاں جاکر وہ اور دکھی ہوجائیں گی ۔"

" ہونے دیجیے ۔ غم کی آگ میں دہک کر مٹی بھی سونا ہو جاتی ہے ۔۔۔ اور رما دیوی مٹی کی بنی نہیں ہیں ۔۔۔" منوج نے کہا ۔۔۔ " یہی وجہ ہے وہ چپ چاپ اکیلی جانا چاہتی ہیں ۔ اور میرے خیال میں یہی اچھا بھی ہے ۔ کون جانے کوئی ذرا سی ہل چل لہروں کی رکی ہوئی روانی لوٹا دے !"

(۱۰)

دلی کی چھتری والی کوٹھی کا سودا ہو جانے کی خبر نے رما کو بے چین کر دیا تھا ۔

اس کی طرف بڑھایا بھی، مگر وہ بس چائے پی کر جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔
آنٹی نے خاموشی کو توڑا۔۔۔ "کیا آج بھی جلدی میں ہو؟"
" جی آنٹی۔ کالج کا وقت ہوگیا ہے۔" رما نے جواب دیا اور جانے لگی۔
دروازے سے نکلی ہی تھی کہ پیچھے سے منورما کی آواز آئی۔۔۔ "وہ پروفیسر راجن کا لکچر ذرا بھی مس کرنا نہیں چاہتی۔۔۔ آپ کو پتہ نہیں ممی؟"
"کیا کالج میں پڑھاتی ہیں؟"۔۔۔ جگدیش انکل نے عجیب بھونڈا سا سوال کیا۔
" نہیں۔ ایم۔ اے کر رہی ہے، انگلش لٹریچر میں۔" آنٹی نے جلدی سے جواب دیا۔ رما نے قدم بڑھایا ہی تھا کہ پھر رک گئی۔ اس بار رنجنا کہہ رہی تھی۔
" مگر اپنی ساتھیوں کو پڑھاتی بھی ہے۔ موسٹ بری لینٹ اسٹوڈنٹ!"
" گڈ۔۔۔ ویری گڈ۔۔۔" جگدیش انکل بولے۔۔۔ "لٹریچر؟۔۔۔ اس سبجکٹ کی بڑی قدر ہے امریکہ میں۔"
" مگر جگدیش انکل۔ وہ ایم۔ اے، کے بعد پی ایچ۔ ڈی، کرے گی۔۔۔ آپ جو سوچ رہے ہیں۔۔۔ وہ۔۔۔۔"
" تم دونوں کو کالج کو جانا نہیں ہے کیا؟۔۔۔ آنٹی بات کاٹ کر بولیں۔ لہجے میں کسی قدر غصے کو بھی شامل کرلیا تھا۔
منورما نے جانے کے لیے اٹھتے ہوئے کہا۔۔۔ "ہے ممی، جانا ہے۔ یہ ہمارا کالج بڑا منحوس کالج ہے۔ اتنے دن سے ایک اسٹرائک تک نہیں ہوئی!۔۔۔ چلو رنجنی"

رات کے ساتھ ستاروں کا کارواں آگے بڑھ چکا تھا۔ دریچے میں سے نظر آنے والے آسمان کی تاریکی میں جھل ملاتے ستارے بھی اب وہ نہیں تھے، ان کی جگہ دوسروں نے لے لی تھی۔۔۔ یادوں کے دریچے میں بھی اب دوسرا منظر تھا۔۔۔۔
پروفیسر راجن کی کلاس ختم ہوچکی تھی۔ کسی لڑکے نے کوئی سوال کردیا تھا۔۔۔ سوال رما کو اس وقت یاد نہیں آرہا تھا۔۔۔ مگر جواب میں پروفسیر کہہ رہے تھے۔۔۔

"۔۔۔ میں یہ عذر نہیں سننا چاہتا کہ ہمارے پاس ٹائم نہیں ہے۔۔۔ زمانہ فاسٹ ہوگیا ہے۔ زندگی کی تیز دوڑ میں کلاسیکل چیزوں کے لیے وقت کہاں؟۔۔۔ غلط۔ سب غلط! ہر دور میں زمانہ اپنے پچھلے زمانے سے فاسٹ ہی رہا ہے۔ پھر بھی جدید کے ساتھ قدیم علم کا مطالعہ سب ہی کرتے رہے۔

یہ بھی غلط کہ ہم اور آپ دونوں الگ الگ دنیاؤں میں جیتے ہیں۔ میں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ کلاس میں کوئی سوال کروں تو ادب سے سر جھکائے جواب دو۔ بلکہ یہ کہا کہ نظریں ملاکر جواب دو۔ میں غلطی کروں تو ٹوک دو۔ لڑکیاں پتلون پہن لیں یا لڑکے تیتری کے رنگ کے کپڑے پہن لیں، تو مجھے۔۔۔ اچھا لگتا ہے۔ یہ جنریشن گیپ کوئی چیز نہیں ہے۔ مریض دماغوں کی پیداوار ہے۔۔۔

So. To sum up... ، ۔۔۔ اپنے کلاسیکل لٹریچر کو بھی پڑھو، اور جدید ٹرینڈز سے بھی واقف رہو۔ اکسپریشن یعنی اظہار کی جڑ ہے لفظ۔ لفظ کو بگاڑو نہیں۔ اس کے استعمال اور معنی کے پہلو شوق سے نئے نئے تلاش کرو۔۔۔"

پروفیسر راجن اور سارے لڑکے لڑکیاں چلے گئے تھے۔ خالی کلاس میں وہ اکیلی بیٹھی رہ گئی تھی۔ اچانک رضیہ کی آواز پر چونک پڑی۔۔۔ "رما؟۔۔۔ لکچر ختم ہوگیا۔ کیا اس کے اثر میں سارا دن اسی طرح بیٹھی رہے گی؟۔۔۔ چل کینٹین چلتے ہیں۔ مجھے کچھ باتیں کرنی ہیں۔"

کینٹین میں ابھی زیادہ بھیڑ نہیں تھی۔ بیرا آیا تو رضیہ نے آرڈر دیا۔۔۔ "دو کافی۔۔۔ اور ہاں، کچھ سینڈوچس اور بسکٹ بھی ساتھ لے آؤ۔" اور پلٹ کر رما سے بولی۔۔۔ "مجھے پتہ ہے، تو آج بھی جلدی میں صبح کو صرف چائے کی ایک پیالی پی کر گھر سے نکل پڑی ہوگی۔۔۔ پہلا پیریڈ پروفیسر راجن کا تھا نا؟"۔۔۔

"یہ بات نہیں رضیہ۔۔۔"

"یہی بات ہے۔۔۔" رضیہ بات کاٹ کر بولی۔ "اور یہ بات سب جان گئے

ہیں کہ پروفیسر صاحب تجھ میں کچھ زیادہ ہی انٹرس ٹڈ ہو گئے ہیں۔"

"تو مجھ سے اپنی کوئی بات کہنے والی تھی!" رما نے گفتگو کا رخ بدلتے ہوئے پوچھا۔ رضیہ تھوڑی سی دیر کے لیے خاموش ہو گئی۔ پھر سنجیدگی سے بولی ..." رما۔ میں ان دنوں بڑی کنفیوزڈ ہوں۔ ہمارے بزرگ میری شادی کر دینا چاہتے ہیں!"

"تو کر لے"

"تو کر لے، بس کہدیا!" رضیہ طنز سے نقل کرتے ہوئے بولی ..." مجھے نہیں کرنی ہے شادی اس چرخی کے غلام سے۔"

رما نے چھیڑتے ہوئے کہا ..." چرخی کا نہیں، وہ تو تیرا غلام ہے۔ تو نے ہی بتایا تھا، مرتا ہے تجھ پر۔ اور پھر اتنا برا بھی نہیں کہ تو نام دھرے اس کا! ... بنگلہ ہے، موٹر ہے، چمڑے کا کاروبار کرتا ہے ... سوچنا کس بات کا ہے؟"

"عقل! ... عقل کا کورا ہے۔" رضیہ بولی ..." معصوم بچے کی طرح میری ہر بات مان لیتا ہے۔ کبھی کسی بات پر مخالفت ہی نہیں کرتا میری! ... نہ کبھی غصے میں آتا ہے، نہ روٹھتا ہے! ... کاٹھ کے الو عاشق، وبالِ جان بن جاتے ہیں رما ..."

"تو پھر کیسے عاشق چاہئیں آپ کو؟" یکایک قریب سے ایک آواز آئی ...

"اگر برا نہ مانیں تو ٹرائیل کے لیے بندہ حاضر ہے۔"

دونوں نے چونک کر دیکھا تو ایک خوب رو نوجوان چپ چاپ کھڑا جانے کب سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ چہرے پر شرارت جھلک رہی تھی۔

رضیہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا ..." آپ کس کھیت کی مولی ہیں، معلوم تو ہو، ... جو اس طرح بن بلائی بلا کی طرح آ دھمکے؟"

"ارے۔ آپ تو خفا ہوئی جا رہی ہیں! ... خیر، دیکھا گیا ہے کہ اکثر ... ابتدا اسی طرح ہوتی ہے" ... کہتے ہوئے وہ ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ابتدا؟ ... کس چیز کی؟" رضیہ کی آواز میں غصہ جھلک رہا تھا۔

"جی؟ ... میرا مطلب ہے ... التفات کی۔" ذرا سے تامل کے بعد اس نے

پُرسکون انداز میں جواب دیا۔

"آپ یہاں سے جانے کا کیا لیں گے؟" جلدی سے رما بول پڑی۔

نوجوان نے گھور کر رما کو دیکھا، ... ایسے جیسے پہلی بار اس کی موجودگی کا احساس ہوا ہو...

"اوہ، ... آپ کو تو دیکھا ہی نہیں تھا میں نے!" ... اور نظریں ہٹائے بغیر کہتا گیا... "کون بدذوق ہو گا جو آپ کی محفل سے اٹھ کر چلا جائے گا!"

رضیہ نے غصے سے پیر پٹکتے ہوئے کہا... "نان سنس۔ بہت ہو چکا ... اب آپ فوراً یہاں سے دفع ہو جائیے ... ہم لوگ کچھ پرسنل باتیں کر رہے تھے..."

"لڑکیاں جب بھی مل بیٹھتی ہیں، پرسنل باتیں ہی کرتی ہیں..." اس نے رضیہ کی طرف پلٹتے ہوئے کہا... "اور سنیے، ... میں دراصل آپ ہی سے ملنے آیا تھا۔"

رضیہ اسے غور سے دیکھنے لگی... "میں نے آپ کو پہلے کبھی دیکھا تک نہیں...!"

"اب روز دیکھنا پڑے گا۔ کیوں کہ میں اب آپ ہی کے ساتھ رہوں گا۔" اس نے دھیمی آواز میں کہا۔ جیسے ہمدردی کا اظہار کر رہا ہو۔

رما جو چپ بیٹھی تھی، بول پڑی... "رضیہ یہ کوئی پاگل لگتا ہے!"

"رضیہ؟!" ... وہ ایک دم چونک پڑا... "آپ رضیہ ہیں؟... تو پھر رما کون ہیں؟" ... اور جلدی سے گھوم کر رما کو دیکھا... "آپ ہیں رما؟" چہرے پر گھبراہٹ چھا گئی تھی۔

"کوئی اعتراض ہے آپ کو؟" رما نے سلون بھرے انداز میں پوچھا۔

"اعتراض؟ ... نہیں... نہیں کوئی اعتراض نہیں" وہ بوکھلا گیا تھا...

"میں تو... دیکھیے نا... سخت شرمندہ ہو رہا ہوں اپنی حماقت پر، ... اور نروس بھی۔

اس طرح بن بلائی بلا کی طرح آدھمکا!۔۔۔ میں سچ مچ معافی چاہتا ہوں اپنی غلطی پر۔۔۔"
اور یکایک جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

"کون سی غلطی پر؟۔۔۔ جانے سے پہلے بتاتے تو جائیے؟" رضیہ اس کی گھبراہٹ سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

"کوئی فائدہ نہیں۔ آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گا۔۔۔ میں تو مذاق کر رہا تھا۔ اس ذرا سی غلطی نے اسے بدذوقی میں بدل کر رکھ دیا۔۔۔"

اور وہ فوراً وہاں سے چل دیا۔

رضیہ اور رما حیران سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھر ہنس پڑے۔ ان کی ہنسی قہقہوں میں بدلنے لگی۔

رما نے اپنی انگلی سر کے پاس لے جاکر ہوا میں گھماتے ہوئے کہا ۔۔۔" پاگل!"

گھر آئی تو رما کو میز پر ڈیڈی کا خط رکھا ملا۔ رڑکی سے آیا تھا۔

"۔۔۔ میرا ایک بھانجا ہے، آنند کمار ورما۔ تم نے نہیں دیکھا ہے اب تک۔ یہاں رڑکی میں اس سے ملاقات رہی۔ یہاں سے اس نے سول انجنیرنگ میں ٹاپ کیا ہے۔ اسکالرشپ پر دلی آرہا ہے، ایم۔ ای۔ کرنے۔

آنند بڑا ذہین لڑکا ہے، اسپورٹس مین ہے، بہت سوشیل ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ شطرنج بھی اچھا کھیلتا ہے (مجھے کئی بار ہرا چکا ہے)۔

میں نے اس سے کہا ہے کہ دلی میں وہ چھتری والی کوٹھی میں رہے۔ تمھارے بارے میں بھی سارا ذکر کر چکا ہوں۔ مجھے

یقین ہے میرا یہ ایک طرفہ فیصلہ تمھیں کبھی ناخوش ہونے کا موقع
نہیں دے گا۔ امید ہے تم سے جلد ہی ملاقات ہوگی۔

تمھارا

ڈیڈی۔

P.S.

خط پوسٹ کرنے میں دیر ہوگئی۔ شاید آنند خط ملنے سے پہلے ہی
وہاں پہنچ جائے ___ ڈیڈی "

... تو وہ آنند تھا !... جو مجھ سے ملنے کالج آگیا تھا،... رما کے چہرے پر
مسکراہٹ پھیل گئی۔

سب لوگ منورما کے کمرے میں جمع تھے۔ اندر سے آنند کی آواز آرہی تھی۔ رما
دروازے میں جا کھڑی ہوئی... آنند جوشیلے انداز میں ایکٹنگ کرتے ہوئے اپنا کوئی قصہ
سنا رہا تھا اور سب لوگ بڑے انہماک کے ساتھ خاموش بیٹھے سن رہے تھے... آنٹی،
منورما، رنجنا اور جگدیش انکل۔

..." ہاں آنٹی۔ ڈر تو گیا تھا، پر میں نے ظاہر ہونے نہیں دیا۔ وہ تین تھے
اور میں اکیلا،... بس میں نے پلنگ پر سے ہوا میں ایک سمرسالٹ کیا... یوں
(اور کھڑے ہوکر ایکشن کے ساتھ دونوں ہاتھ ہوا میں پھیلا دیے)... اور سیدھا لینڈ کیا ان
تینوں پر۔ دو کو ٹانگوں سے گرایا اور تیسرے کے جبڑے پر... یوں... ڈیشوم !... اور
ہاتھ کے ساتھ خود بھی گھوم گیا۔

گھومتے ہی نظر رما پر پڑی جو ابھی تک دروازے میں کھڑی یہ منظر دیکھ رہی تھی۔
آنند کے دوسرے مکّے کی آواز حلق میں ہی اٹک کر رہ گئی... ڈیش... شوم ! اور ایک
دم چپ ہوکر رما کو دیکھنے لگا۔ جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔

" پھر کیا ہوا مسٹر آنند ؟" یکایک رنجنا نے پوچھا اور آنند نے چونک کر سب

کی طرف پلٹ کر دیکھا۔

"پھر؟ ... پھر کچھ نہیں ہوا" ... آنند کے منھ سے نکلا۔

آنند کی بوکھلائی ہوئی حالت دیکھ کر رما کو رحم آ گیا جلدی سے آگے بڑھ کر بولی ... "ہونا کیا تھا؟ ... ایک دم آنکھ کھل گئی۔"

سب کے ساتھ آنند بھی ہنس رہا تھا۔ رما نے تعجب سے دیکھا کہ اس کے چہرے پر کھسیانے پن کا نام و نشان تک نہیں تھا۔

"آپ اور رما جانتے ہیں ایک دوسرے کو؟" منورما نے پوچھا۔

"نہیں بالکل نہیں ..." آنند نے فوراً جواب دیا۔

آنٹی رما کی طرف دیکھتی ہوئی بولی ... "رما بیٹی' یہ آنند ہے، ہمارا نیا گیسٹ۔ بڑا باتونی ہے، مگر اتنا ہی دل چسپ بھی ہے۔ اب یہ یہیں کوٹھی میں رہے گا۔"

رما کو شرارت سوجھی ... "آنٹی ... ہماری کوٹھی کوئی سرائے نہیں ہے! ... آپ ہر ایرے غیرے کو ..."

آنٹی جلدی سے بولیں ... "رما بیٹی، یہ غیر نہیں ہے ... تمھارے ڈیڈی رشتے میں انکل ہوتے ہیں اس کے۔ دو دن پہلے انھوں نے فون کیا تھا، ڈیرادون سے۔ تمھیں بتانا بھول گئی ... بڑی تعریفیں کر رہے تھے اس کی!"

منورما چھیڑتے ہوئے بولی ... "ممی۔ آپ کو یقین ہے، انکل مسٹر آنند کی ہی بات کر رہے تھے؟"

جواب آنند نے دیا۔ وہ اپنے اصلی رنگ میں واپس آ چکا تھا ... "جناب۔ آتے وقت ڈیرادون میں انھوں نے مجھے دو دن تک اپنے ساتھ ہی روک لیا۔ ہر جگہ لیے لیے پھرتے رہے۔ جانے کی اجازت ہی نہیں دے رہے تھے!"

"بے چارے انکل!" رنجنا بھی ستانے پر اتر آئی تھی۔

"آنند بیٹا ... یہ لڑکیاں بڑی شریر ہیں۔" آنٹی پھر جلدی سے بولیں۔

"جی ہاں آنٹی۔ انکل نے مجھے وارن بھی کیا تھا ..."

آنند کو ہرانا کتنا مشکل ہے، رما سوچنے لگی۔۔۔
آنند سے اس کی ملاقات کا وہ پہلا دن تھا۔۔۔

اس رات جانے کب تک رما کے کمرے کے دریچے سے باہر آسمان کی تاریکی میں یادوں کی روشنیاں جھل ملاتی رہیں اور جانے کب تک انھیں دیکھتے دیکھتے اس کی آنکھوں نے بالآخر اپنے دریچے موند لیے۔

(۱۲)

آرتی ان عورتوں میں نہیں تھی جو اپنی توہین کا بدلہ لیے بغیر چپ ہوجائیں۔ اپنے جذبات کو قابو میں رکھنا آرتی نے سیکھا ہی نہیں تھا۔ اس کی اسی بے راہ روی نے شوہر کو امریکہ چلے جانے پر مجبور کردیا تھا۔ جس سے اس کی آزاد روی کو اور چھوٹ مل گئی تھی۔ آرتی کے پاس روپے پیسے کی یوں بھی کمی نہ تھی، امریکہ سے ہر دوسرے مہینے چیک الگ آجاتا۔۔۔ کمی تھی تو صرف ذہنی آسودگی کی، جو ہوس کا دریا پار نہ کرسکی!

رما کے خلاف غم و غصے کی چنگاری دیکھتے ہی دیکھتے حسد کی آگ میں بدل گئی۔ اس خواہش نے اسے بے چین کردیا کہ سب کی نظروں میں رما نے جو بلند اور بے داغ امیج بنا رکھا ہے، اسے ایک پتھر مار کر شیشے کی طرح چکنا چور کردے۔۔۔

وہ اس پتھر کی تلاش میں تھی۔۔۔ کہیں سے بھی، کسی بھی طرح، ایک ذرا سا سراغ ہی مل جائے!

یقین ہے میرا یہ ایک طرفہ فیصلہ تمھیں کبھی ناخوش ہونے کا موقع نہیں دے گا۔ امید ہے تم سے جلد ہی ملاقات ہوگی۔

تمھارا

ڈیڈی۔

P.S.

خط پوسٹ کرنے میں دیر ہو گئی۔ شاید آنند خط ملنے سے پہلے ہی وہاں پہنچ جائے ___ ڈیڈی "

... تو وہ آنند تھا! ... جو مجھ سے ملنے کالج آگیا تھا، ... رما کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

سب لوگ منورما کے کمرے میں جمع تھے۔ اندر سے آنند کی آواز آرہی تھی۔ رما دروازے میں جا کھڑی ہوئی... آنند جوشیلے انداز میں ایکٹنگ کرتے ہوئے اپنا کوئی قصہ سنا رہا تھا اور سب لوگ بڑے انہماک کے ساتھ خاموش بیٹھے سن رہے تھے... آنٹی، منورما، رنجنا اور جگدیش انکل۔

... " ہاں آنٹی۔ ڈر تو گیا تھا، پر میں نے ظاہر ہونے نہیں دیا۔ وہ تین تھے اور میں اکیلا، ... بس میں نے پلنگ پر سے ہوا میں ایک سمرسالٹ کیا... یوں (اور کھڑے ہو کر ایکشن کے ساتھ دونوں ہاتھ ہوا میں پھیلا دیے)... اور سیدھا لینڈ کیا ان تینوں پر۔ دو کو ٹانگوں سے گرایا اور تیسرے کے جبڑے پر... یوں... ڈیشوم!"... اور ہاتھ کے ساتھ خود بھی گھوم گیا۔

گھومتے ہی نظر رما پر پڑی جو ابھی تک دروازے میں کھڑی یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ آنند کے دوسرے مکّے کی آواز حلق میں ہی اٹک کر رہ گئی... ڈیش... شوم! اور ایک دم چپ ہو کر رما کو دیکھنے لگا۔ جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔

" پھر کیا ہوا مسٹر آنند؟" یکایک رنجنا نے پوچھا اور آنند نے چونک کر سب

اس طرح بن بلائی بلا کی طرح آدھمکا ! ۔۔۔ میں سچ مچ معافی چاہتا ہوں اپنی غلطی پر ۔۔۔"
اور یکایک جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا ۔

" کون سی غلطی پر ؟ ۔۔۔ جانے سے پہلے بتاتے تو جائیے ؟ " رضیہ اس کی گھبراہٹ سے لطف اندوز ہو رہی تھی ۔

" کوئی فائدہ نہیں ۔ آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گا ۔۔۔ میں تو مذاق کر رہا تھا ۔ اس ذرا سی غلطی نے اسے بدذوقی میں بدل کر رکھ دیا ۔۔۔"

اور وہ فوراً وہاں سے چل دیا ۔

رضیہ اور رما حیران سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے ۔ پھر ہنس پڑے ۔ ان کی ہنسی قہقہوں میں بدلنے لگی ۔

رما نے اپنی انگلی سر کے پاس لے جاکر ہوا میں گھماتے ہوئے کہا ۔۔۔" پاگل ! "

گھر آئی تو رما کو میز پر ڈیڈی کا خط رکھا ملا ۔ رڑکی سے آیا تھا ۔

"۔۔۔ میرا ایک بھانجا ہے ، آنند کمار ورما ۔ تم نے نہیں دیکھا ہے اب تک ۔ یہاں رڑکی میں اس سے ملاقات رہی ۔ یہاں سے اس نے سول انجنیرنگ میں ٹاپ کیا ہے ۔ اسکالرشپ پر دلی آرہا ہے ، ایم ۔ ای ۔ کرنے ۔

آنند بڑا ذہین لڑکا ہے ، اسپورٹس مین ہے ، بہت سوشیل ہے ۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ شطرنج بھی اچھا کھیلتا ہے (مجھے کئی بار ہرا چکا ہے) ۔

میں نے اس سے کہا ہے کہ دلی میں وہ چھتری والی کوٹھی میں رہے ۔ تمہارے بارے میں بھی سارا ذکر کرچکا ہوں ۔ مجھے

کی طرف پلٹ کر دیکھا۔

"پھر؟ ۔۔۔ پھر کچھ نہیں ہوا"۔۔۔ آنند کے منہ سے نکلا۔

آنند کی بوکھلائی ہوئی حالت دیکھ کر رما کو رحم آگیا جلدی سے آگے بڑھ کر بولی ۔۔۔ "ہونا کیا تھا؟ ۔۔۔ ایک دم آنکھ کھل گئی۔"

سب کے ساتھ آنند بھی ہنس رہا تھا۔ رما نے تعجب سے دیکھا کہ اس کے چہرے پر کھسیانے پن کا نام ونشان تک نہیں تھا۔

"آپ اور رما جانتے ہیں ایک دوسرے کو؟" منورما نے پوچھا۔

"نہیں بالکل نہیں۔۔۔" آنند نے فوراً جواب دیا۔

آنٹی رما کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔۔۔ "رما بیٹی' یہ آنند ہے، ہمارا نیا گیسٹ۔ بڑا باتونی ہے، مگر اتنا ہی دل چسپ بھی ہے۔ اب یہ یہیں کوٹھی میں رہے گا۔"

رما کو شرارت سوجھی۔۔۔ "آنٹی ۔۔۔ ہماری کوٹھی کوئی سرائے نہیں ہے! ۔۔۔ آپ ہر ایرے غیرے کو ۔۔۔"

آنٹی جلدی سے بولیں ۔۔۔ "رما بیٹی، یہ غیر نہیں ہے ۔۔۔ تمھارے ڈیڈی رشتے میں انکل ہوتے ہیں اس کے۔ دو دن پہلے انھوں نے فون کیا تھا، ڈیرادون سے۔ تمھیں بتانا بھول گئی۔۔۔ بڑی تعریفیں کر رہے تھے اس کی!"

منورما چھیڑتے ہوئے بولی ۔۔۔ "ممی۔ آپ کو یقین ہے، انکل مسٹر آنند کی ہی بات کر رہے تھے؟"

جواب آنند نے دیا۔ وہ اپنے اصلی رنگ میں واپس آچکا تھا۔۔۔ "جناب۔ آتے وقت ڈیرادون میں انھوں نے مجھے دو دن تک اپنے ساتھ ہی روک لیا۔ ہر جگہ لیے لیے پھرتے رہے۔ جانے کی اجازت ہی نہیں دے رہے تھے!"

"بے چارے انکل!" رنجنا بھی ستانے پر اتر آئی تھی۔

"آنند بیٹا ۔۔۔ یہ لڑکیاں بڑی شریر ہیں۔" آنٹی پھر جلدی سے بولیں۔

"جی ہاں آنٹی۔ انکل نے مجھے وارن بھی کیا تھا۔۔۔"

آنند کو ہرانا کتنا مشکل ہے، رما سوچنے لگی۔۔۔
آنند سے اس کی ملاقات کا وہ پہلا دن تھا۔۔۔

اس رات جانے کب تک رما کے کمرے کے دریچے سے باہر آسمان کی تاریکی میں یادوں کی روشنیاں جھل ملاتی رہیں اور جانے کب تک انھیں دیکھتے دیکھتے اس کی آنکھوں نے بالآخر اپنے دریچے موند لیے۔

(۱۱)

آرتی ان عورتوں میں نہیں تھی جو اپنی توہین کا بدلہ لیے بغیر چپ ہو جائیں۔ اپنے جذبات کو قابو میں رکھنا آرتی نے سیکھا ہی نہیں تھا۔ اس کی اسی بے راہ روی نے شوہر کو امریکہ چلے جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ جس سے اس کی آزاد روی کو اور چھوٹ مل گئی تھی۔ آرتی کے پاس روپے پیسے کی یوں بھی کمی نہ تھی، امریکہ سے ہر دوسرے مہینے چیک الگ آجاتا۔۔۔ کمی تھی تو صرف ذہنی آسودگی کی، جو ہوس کا دریا پار نہ کر سکی!

رما کے خلاف غم و غصے کی چنگاری دیکھتے ہی دیکھتے حسد کی آگ میں بدل گئی۔ اس خواہش نے اسے بے چین کر دیا کہ سب کی نظروں میں رما نے جو بلند اور بے داغ امیج بنا رکھا ہے، اسے ایک پتھر مار کر شیشے کی طرح چکنا چور کر دے۔۔۔
وہ اس پتھر کی تلاش میں تھی۔۔۔ کہیں سے بھی، کسی بھی طرح، ایک ذرا سا سراغ ہی مل جائے!

جب سے سنا تھا کہ رما کچھ دنوں کے لیے کہیں باہر جارہی ہے، آرتی کو ادھیڑ بن سی لگ گئی کہ کہاں اور کیوں جارہی ہے!

منوج کو ٹیلی فون کرکے پوچھا مگر اس نے کچھ نہیں بتایا۔ نہ اسوانی نے کچھ بتایا... کسی اور سے معلوم ہونے کا سوال ہی نہیں تھا۔ آرتی کا تجسس اور بڑھ گیا...

ایک عجیب اور اوچھی حرکت کرکے اس نے ایک خادمہ کو، جو رما کے گھر کے مقابل والے گھر میں ملازم تھی، آمادہ کرلیا کہ وہ رما کے گھر پر نظر رکھے اور ہر آنے جانے والے کی اسے اطلاع دے۔

(۱۲)

امریکہ سے نیل کمل کا خط آیا تھا۔ اگلے مہینے وہ انڈیا آرہی ہے۔ اس کے ایک ہفتے بعد رسک بھی آجائے گا۔ پہلے کلکتہ جائے گا، اپنے ماں باپ کے پاس۔ پھر حیدرآباد آکر اس سے ملے گا۔ "ممی۔ آپ کے اپروول کے بغیر شادی نہیں ہوگی..." اس نے لکھا تھا۔

خط ملتے ہی رما اسوانی کے آفس چلی گئی اور ہمیشہ کی طرح اسوانی کے ذریعے بیٹی کے پاس کچھ روپے بھجوادیے۔

واپس آئی تو گھر پر پروفیسر راجن کو انتظار میں بیٹھا پایا۔ رما کو تعجب بھی ہوا، اور کسی قدر بے چینی بھی ہوئی۔ وہ اچانک آگیا تھا۔ حالاں کہ رما نے کہا تھا، وہ کچھ دنوں کے لے کہیں باہر جارہی ہے۔

راجن نے بتایا کہ اخبار میں سیمینار کا ذکر پڑھا، جس میں وہ بھی پیپر پڑھنے والی ہے، تو اسے بڑی خوشی ہوئی اور ملنے چلا آیا۔ اپنی تمام ذہانت کے باوجود رما پروفیسر راجن کو کبھی سمجھ نہ پائی تھی۔

"آنند کے بارے میں سن کر بڑا افسوس ہوا۔ میں جانتا ہوں تمھارے لیے کتنا بڑا صدمہ ہے یہ۔۔۔ کتنی ہمت سے اڈجسٹ کیا ہو گا تم نے، وہ بھی سوچ سکتا ہوں۔۔۔ بس یہی کہنے آیا تھا۔ اب چلتا ہوں۔" اور وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

رما شکریہ ادا کرنے کے لیے کچھ کہنے لگی تو بات کاٹ کر بولا۔۔۔ "مگر یاد رکھو رما۔ زندگی ایک کہانی سے نہیں بنتی۔ اس میں کئی کہانیاں جنم لیتی ہیں۔ چھوٹی لگنے کے باوجود یہ زندگی بہت لمبی ہوتی ہے اور بڑی ہونے کے باوجود یہ دنیا بہت چھوٹی ہے۔۔۔ انیتا کے ساتھ مجھ پر کیا گزری، تم نہیں جانتیں۔ جان بھی نہیں سکتی تھیں! پھر کبھی بتاؤں گا۔۔۔ آج میں اپنے غم کی داستان سنانے نہیں آیا۔ تمھارا غم بانٹنے آیا تھا کیوں کہ میں تمھارا ٹیچر ہی نہیں، دوست بھی رہا ہوں۔"

رما بیٹھی خاموشی سے سنتی رہی۔ وہ اسے چھوڑنے دروازے تک بھی نہ جا سکی۔ اس کے ذہن کے پردے پر دھند میں لپٹی کئی تصویریں ایک دوسرے کے تعاقب میں دوڑنے لگیں۔ جیسے ٹرانس میشن کی خرابی سے ٹی۔وی کے اسکرین پر ہوتا ہے۔

اور پھر ان میں سے ایک تصویر کے خد و خال واضح ہونے لگے۔

کالج میں رما پروفیسر راجن کے کمرے میں بیٹھی تھی۔ کلاس کے بعد راجن نے اسے بلایا تھا۔ منوج پہلے سے وہاں بیٹھا تھا۔ میز پر سے ایک فائل اٹھا کر رما کو دیتے ہوئے راجن بولا۔۔۔

۔۔۔ "کانگرے چولیشن۔۔۔ تم نے پھر ایک بہت خوب صورت ڈراما لکھا ہے۔ نئی ٹکنیک کے ساتھ۔ ٹاپک میں بھی یونیورسل اپیل ہے۔۔۔ میں نے ایک ہی سٹنگ میں پڑھ ڈالا۔"

" شکریہ ۔ ۔ ۔ " رما کے منھ سے نکلا۔

" ان سے ملو۔ منوج کمار ورما ۔ ۔ ۔ مشہور جرنلسٹ اور کریٹک ۔ ۔ ۔ تمھارے قدر داں۔ تمھارے پچھلے ڈرامے پر ان کا تعریفی ریویو تم پڑھ چکی ہو ۔ ۔ "

" نمستے ۔ ۔ ۔ " رما نے منوج کی طرف دیکھا " آپ کی تعریف نے میرے حوصلے بڑھا دیے ۔ "

منوج بولا ۔ ۔ ۔ " مس رما دیوی ۔ ۔ ۔ آپ کے ڈرامے میں نے پڑھے بھی ہیں اور دیکھے بھی ہیں۔ آپ نے اس آرٹ کو ایک نیا ڈائمنشن دیا ہے۔ اسے آگے بڑھایا ہے۔ "

رما منوج کا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی مگر راجن بول پڑا ۔ ۔ ۔ " رما ۔ ۔ ۔ منوج صاحب تم سے ملنا چاہتے تھے۔ اسی لیے میں نے تمھیں بلایا بھی۔ وہ تمھارا نیا ڈراما اپنی آرٹ سوسائٹی کے تھیٹر گروپ کے تحت پروڈیوس کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اس سوسائٹی کے سکریٹری بھی ہیں ۔ ۔ ۔ تم کہو تو یہ ڈراما انھیں دے دوں ۔ ۔ ۔ ؟ "

" یہ تو میرے لیے بڑی خوشی اور فخر کی بات ہوگی ۔ ۔ ۔ " رما بڑی مشکل سے کہہ سکی۔ وہ نروس ہوئی جا رہی تھی۔

فائل لے کر جاتے ہوئے منوج بولا ۔ ۔ ۔ " تھینکس مس رما دیوی ۔ میں اسے پڑھنے کے بعد پھر آپ سے بات کروں گا ۔ ۔ ۔ "

منوج کے جانے کے بعد رما بھی اٹھنے لگی تو چپراسی چائے لے کر آ گیا ۔ ۔ ۔ راجن بول پڑا ۔ ۔ ۔ " ٹھہرو رما۔ چائے پی کر جاؤ۔ میں اور منوج پہلے ہی پی چکے تھے۔ "

رما گردن جھکائے چائے پی رہی تھی مگر اسے محسوس ہو رہا تھا کہ پروفیسر راجن کی نظریں اسی پر ہیں ۔ ۔ ۔

" تمھاری اسٹڈیز کیسی چل رہی ہیں ؟ " ۔ ۔ ۔ رما کی بڑھتی ہوئی بے چینی کو بھانپ کر راجن نے پوچھا۔

" ٹھیک ہی چل رہی ہیں سر ۔ " رما نے سر اٹھائے بغیر جواب دیا۔

" گڈ... مجھے یقین ہے۔ فائنل میں بھی تم ہی ٹاپ کروگی..."

اسی لمحے انیتا آگئی... " ساری پروفیسر صاحب... شائد میں نے ڈسٹرب کردیا"... ہمیشہ کی طرح اس کے چہرے پر شرارت آمیز مسکراہٹ موجود تھی۔

جواب دیتے ہوئے راجن بھی دھیرے سے مسکرانے لگا... " ڈسٹرب تو تم کلاسس میں کرتی ہو۔ اب آئی ہو تو بیٹھ جاؤ... چائے پیو..."

راجن نے چپراسی کی بیل کی طرف ہاتھ بڑھایا تو انیتا ہاتھ روکتے ہوئے بولی...

" او نو،... چائے نہیں پروفیسر صاحب شکریہ۔ میں تو رما کی تلاش میں چلی آئی..."

" ایسی کیا بات ہے، انیتا؟ " پروفیسر نے پوچھا۔

" اور تمھیں کیسے معلوم تھا، میں یہاں ہوں گی؟ " رما بولی۔

" معلوم نہیں تھا... یقین تھا... تم یہیں ہوگی۔" انیتا بولی..." جاؤ، تمھیں آنند ڈھونڈھتا پھر رہا ہے۔" چائے کا آخری گھونٹ جلدی سے لے کر رما نے پروفیسر سے اجازت لی، اور جانے لگی۔ جاتے جاتے اس نے سنا...

" آنند کون؟ "... پروفیسر انیتا سے پوچھ رہا تھا۔

" آپ کو پتہ نہیں؟... تعجب ہے۔" انیتا کہہ رہی تھی..." ان دنوں رما آنند کے ساتھ کالج آتی ہے اور جاتی ہے... آنند کا کالج بھی پاس ہے..."

انیتا اور بھی کچھ کہتی رہی۔ مگر رما رکی نہیں۔ چلی گئی۔

اور پھر وہی ٹرانس میشن کی خرابی۔ رما کے ذہن کے پردے پر تصویروں کے کئی فریم گڈمڈ ہوکر آگے پیچھے تیزی سے حرکت کرنے لگے... بیچ بیچ میں کوئی فریم پل دو پل کے لیے رک بھی جاتا...

کالج کے کینٹن میں رضیہ اس سے کہہ رہی ہے "... وہ بے وقوف پروفیسر راجن سب کے سامنے تمھاری تعریفیں کیوں کرتا پھرتا ہے؟... سب لڑکیاں تم سے جلنے لگی ہیں... انیتا نے تو قسم کھائی ہے کہ اس سال فائنل میں تمھیں ٹاپ

نہیں کرنے دے گی۔۔۔ رما۔ مجھے یقین ہے، تمھارے نوٹس کی فائل گم نہیں ہوئی ہے، انیتا نے چرالی ہے۔"

تصویریں پھر گڈمڈ ہوکر دوڑنے لگیں۔۔۔ ایک تصویر لمحہ بھر کے لیے رکی بھی تو پھسلی پھسلی سی، دھندلی دھندلی سی۔ البتہ آواز سمجھ میں آرہی تھی۔۔۔ شاید کلاس روم میں کوئی لڑکی کسی سے کہہ رہی تھی۔۔۔ اس پروفیسر راجن نے اب تک شادی کیوں نہیں کی؟ آدھی عمر ہونے کو آگئی۔۔۔! سب لڑکیوں کو پریشان کر رکھا ہے۔۔۔ وہ انیتا تو سنا ہے اس کے گھر کے چکر بھی لگارہی ہے۔۔۔!

اور پھر دوسری آواز۔۔۔ مگر وہ تو رما پر مرتا ہے۔

مگر اس کے بعد رما کے ذہن کے پردے پر ایک دوسرے کے تعاقب میں دوڑتی ہوئی بے ترتیب تصویروں کا انتشار یک لخت رک گیا اور اس کی بہ جائے فلیش بیک کا تسلسل پھر قائم ہوگیا۔

رما پروفیسر کے کمرے سے نکلی تو کالج کے کاریڈور میں آنند مل گیا۔۔۔

" تو آپ کی دوست کا خیال صحیح نکلا۔۔۔ ہم اتنی دیر سے ڈھونڈھتے رہے اور اس نے ایک منٹ میں ڈھونڈ لیا آپ کو۔۔۔ کیا نام ہے اس کا۔۔۔" آنند سوچنے لگا۔

" انیتا۔ اور میری دوست نہیں، وہ۔" رما بولی

" ہو بھی نہیں سکتی۔ اور اس میں تعجب کی کیا بات ہے! قدرت نے اک دم ساری خوبیاں آپ کو جو دے دی ہیں۔۔۔ خیر چھوڑیے ان باتوں کو۔ جلدی سے گھر چلیے۔ آپ کے ڈیڈی انتظار کر رہے ہیں۔"

" ڈیڈی۔۔۔؟" ۔۔۔ رما نے حیرت سے پوچھا۔

" ہاں۔۔۔ یکایک کہیں سے آدھمکے۔۔۔ کہنے لگے جلدی میں ہوں۔۔۔ آپ سے

ملنے کے لیے بے چین ہو رہے ہیں۔"

کالج کی سیڑھیوں سے اترتے ہوئے رما نے شرارت سے طنز بھرے لہجے میں پوچھا۔۔۔ "تعجب ہے۔ آپ کے ہوتے ہوئے ڈیڈی میرے لیے بے چین ہو رہے ہیں! ۔۔۔ ڈیرادون میں تو وہ آپ کو چھوڑ نہیں رہے تھے۔۔۔؟"

آنند کب چوکنے والا تھا۔۔۔ "جناب۔۔۔ میں تو سمجھتا ہوں، اب بھی وہ مجھ سے ہی ملنے آئے تھے۔ دیکھتے ہی خوش ہو گئے۔ خوب باتیں بھی ہوئیں۔۔۔ اب شرما حضوری! آپ سے بھی مل ہی لیں گے، گھڑی، دو گھڑی۔ چلیے۔۔۔" اور وہ اپنی اسکوٹر لانے چل دیا۔

گھر پہنچی تو ڈیڈی موسی کے ساتھ بیچ کے ہال میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ رما کو لے کر اس کے کمرے میں چلے گئے۔۔۔ "بیٹی۔ رپورٹنگ ٹائم ہو گیا ہے۔ اس پلین سے میرا جانا بہت ضروری ہے۔ ورنہ رک جاتا۔ تو جانتی ہے، میں تو ایک پل بھی تجھ سے دور رہنا نہیں چاہتا۔۔۔ پر کیا کروں۔ تیری پڑھائی کا مسئلہ ہے، اور میری ڈیوٹی کا۔۔۔ ڈیرادون سے نکلتے وقت تجھے اطلاع کرنے کی مہلت بھی نہیں ملی۔۔۔ مدراس کی فلائیٹ میں چار گھنٹے باقی تھے سو تجھ سے ملنے چلا آیا۔۔۔"

"بہت اچھا کیا۔۔۔ ورنہ پچھلی دفعہ تو سیدھے ایرپورٹ سے ہی پونا چلے گئے تھے۔" رما بولی۔

ڈیڈی کرسی گھسیٹ کر رما کے اور پاس آ بیٹھے۔۔۔ "یہ دیکھ کر کہ آنند کے یہاں کوٹھی میں آکر ٹھہرنے پر تجھے کوئی اعتراض نہیں ہے، مجھے اطمینان ہو گیا۔۔۔ بلکہ خوشی بھی۔"

"خوشی کیوں ڈیڈی۔۔۔؟" رما نے پوچھا۔

"وہ میری بہن کا لڑکا ہے۔ اس کے پِتا بہت اچھے آدمی تھے۔۔۔ وہ خود بھی بڑا دلچسپ کیرکٹر ہے۔ مجھے یقین تھا، تو اس کی کمپنی پسند کرے گی۔۔۔"

"آنند نے یہاں ہر ایک کا دل موہ لیا ہے" رما نے مسکراتے ہوئے کہا۔

" میں جانتا تھا ۔۔۔ میں جانتا تھا" ۔۔۔ اور گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے وہ اٹھ کھڑے ہوئے ۔ ایک دو قدم چل کر پھر واپس آکر بیٹھ گئے ۔۔۔ دوسری بات جو مجھے کہنی تھی وہ یہ ہے کہ ۔۔۔ جیسا کہ تم جانتی ہو یہ کوٹھی تمھاری ہے ۔ تمھاری آنٹی شروع ہی سے یہاں رہتی آئی ہیں ۔ اس لیے کہ میرے سوا ، دنیا میں ان کا کوئی اور نہیں تھا ۔ تمھاری ممی کے بعد انھوں نے ہی اس کوٹھی کی دیکھ بھال کی کیوں کہ مجھے سروس میں زیادہ باہر ہی رہنا پڑتا تھا ۔ میں چاہتا ہوں بیٹی کہ انھیں کوئی تکلیف نہ ہو ۔ وہ اسی طرح رہیں جیسے یہ ان ہی کا گھر ہے ۔ انھوں نے بیماری کے دنوں میں تمھاری ممی کی بہت دیکھ بھال کی تھی ۔"

"ڈیڈی ۔۔ آپ ایسی باتیں کیوں کہہ رہے ہیں ! کیا آپ مجھے نہیں جانتے ؟"

"جانتا ہوں بیٹی ۔ بہت اچھی طرح ۔ شاید کوئی باپ اپنی بیٹی کو اتنا نہیں جانتا ہوگا ۔۔۔ پھر بھی میں چاہتا تھا کہ ایک دفعہ تم سے کہہ دوں ، اب کہہ دیا ۔ جی ہلکا ہوگیا ۔" کہتے ہوئے ڈیڈی نے اٹھ کر رما کو چمٹا لیا ۔۔۔ " مجھے تم پر فخر ہے بیٹی ۔"

رما نے دونوں ہاتھوں سے ڈیڈی کو بھینچ لیا ۔۔۔ " آئی لو یو ۔ آئی لو یو ڈیڈی ۔"

۔۔۔ اس دن پروفیسر کے جانے کے بعد رما کے ذہن میں بیتے دنوں کی یادیں جاگتی ہی چلی گئیں ۔ یادوں کی چھب بھی نرالی ہوتی ہے ۔ جانے کہاں ، کون سی تہوں میں برسوں چھپی پڑی رہتی ہیں ، ایک ذرا سے بہانے کے انتظار میں ۔ ذرا چھیڑا کسی نے کہ بس امنڈ پڑتی ہیں ، سیلاب کی طرح ۔

جانے کب تک رما اپنے ڈرائنگ روم کے صوفے پر نیم دراز ، آنکھیں بند کیے اس سیلاب میں بہتی رہی ۔

(۱۴)

منوج کی سوسائٹی آف آرٹ اینڈ کلچر نے جس سمینار کا انتظام کیا تھا اس کی تاریخ بالکل قریب آگئی تھی۔ الہ آباد سے ڈاکٹر سوبراں کے علاوہ کلکتے سے پروفیسر مترا بھی آرہے تھے۔ منوج کی وجہ سے ہی وہ سیمنار میں شریک ہورہے تھے۔ اپنے آفس کے کاموں کو پسِ پشت ڈال کر منوج سیمنار کے انتظامات میں لگا ہوا تھا۔ اسس کی سکریٹری لی نا بھی برابر کا ہاتھ بٹا رہی تھی۔ ایسا کرنے کے لیے منوج نے اس سے ایک بار بھی کہا نہیں تھا مگر وہ خود ہی پہل کرکے ہر جگہ اس کے ساتھ ساتھ پھر رہی تھی۔ وہ منوج کے مزاج سے، اس کے سوچنے اور کام کرنے کے ڈھنگ سے اور اس کی پسند ناپسند سے اچھی طرح واقف تھی۔

سیمنار کا پروگرام اور مختصر سا رائٹ اپ اخبار کے دفتر میں دے کر نکلے تو لنچ کا وقت ہوچکا تھا۔ لی نا بولی "سر، ہوٹل بلولیگون چلیے۔۔۔ پاس ہی ہے۔ آج کا لنچ میری طرف سے ہوگا۔"

منوج کار اسٹارٹ کرنے لگا تھا۔ رک کر حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا تو اس نے کہا۔۔۔ "کچھ مت کہیے سر۔ یہ میری خوشی ہے۔"

"نہیں۔ یہ فرض بڑوں کا ہوتا ہے۔" منوج بولا۔ "جانتی ہو تم کتنی چھوٹی ہو مجھ سے؟"

"آپ کیا سمجھتے ہیں؟ کتنی چھوٹی ہوں؟" ایک دم پلٹ کر لی نا نے منوج کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔۔۔ اور پھر رک کر کہنے لگی۔۔۔ "کیا یہ حق ایک دفعہ بھی

نہیں دیں گے مجھے ؟"

منوج کو لگا برفیلی ہوا کا ایک جھونکا اس کے دل و دماغ کو چھوتا ہوا گزر گیا۔۔۔ عجیب عجیب خیالات نے اس کے ذہن میں ہل چل سی مچادی۔ دفعتہً انھیں جھٹک کر اس نے موٹر اسٹارٹ کر دی۔۔۔ " ٹھیک ہے۔ جیسی تمھاری مرضی۔"

کار میں چلتے ہوئے منوج نے پوچھا۔۔۔ " لی نا کئی دن سے تم نے اپنے لزلی کی کوئی بات نہیں سنائی۔۔۔ کیا اب بھی پونا سے بھاگ بھاگ کر وہ تم سے ملنے آتا رہتا ہے ؟"

" جی ہاں، سر۔" لی نا کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

" تم بھی اس سے اتنی ہی محبت کرتی ہو نا ؟"

" جی ہاں۔۔۔ سر۔"

" اس کی ٹریننگ کب ختم ہوگی ؟"

" شاید تین مہینے اور ہیں۔۔۔" لی نا منوج کی طرف ایسی نظروں سے دیکھنے لگی جیسے پوچھ رہی ہو، یہ سب کیوں پوچھ رہے ہیں ؟

ہلکی سی مسکراہٹ میں منوج نے خود ہی جواب دیا۔۔۔ " اس کے بعد تمھاری شادی ہوجائے گی۔۔۔ اور لزلی کی پوسٹنگ نہ معلوم کون سے ملٹری سنٹر پر ہوجائے۔۔۔ !"

" نہیں سر۔۔۔ اس کی پوسٹنگ اسی شہر میں ہوگی۔" لی نا نے بڑے با اعتماد لہجے میں کہا۔۔۔ " اور اگر نہ بھی ہو۔ تو میں کہیں نہیں جاؤں گی۔۔۔ ممی کو چھوڑ کر۔"

اس کے لہجے میں سنجیدگی آگئی تھی۔۔۔ دونوں چپ ہوگئے۔ اسی خاموشی میں کار ہوٹل کے گیٹ میں داخل ہوگئی۔

کھانے کے بعد لی نا نے آئس کریم کا آرڈر دے دیا۔ منوج کی نظریں بار بار پاس بیٹھی ہوئی ایک جاذبِ نظر خاتون کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ اس کے ساتھ دو بچے تھے۔ اور اب وہ لوگ اٹھ کر جارہے تھے۔ منوج کی نظروں نے دور تک ان کا تعاقب کیا اور تب اسے محسوس ہوا کہ لی نا دیر سے اسے دیکھے جارہی ہے۔ منوج مسکرانے لگا۔ وہ جانتا

تھا لی نا کے تجسس کو دور کیے بغیر وہ نہیں رہ سکے گا۔ رکتے رکتے کہنے لگا۔۔۔

"اس خاتون کو دیکھ کر مجھے اپنی بیوی یاد آگئی۔۔۔ بڑی مشابہت تھی۔"

۔۔۔ لی نا نے کوئی جواب نہیں دیا۔۔۔ اسے چپ دیکھ کر منوج خود ہی بولا۔

"تمھیں معلوم تھا، میری بیوی بھی تھی؟"

لی نا اب بھی کچھ نہیں بولی۔۔۔ صرف گردن ہلا کر ہاں کر دی۔

"تو پھر کبھی پوچھا کیوں نہیں، کیا ہوا تھا؟۔۔۔ کیوں چلی گئی تھی وہ میرے دوست کے ساتھ؟"

لی نا حیران نگاہوں سے منوج کو دیکھنے لگی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کہے۔ منوج پھر کہنے لگا:

"تم میرے ساتھ اتنے دن سے کام کر رہی ہو۔ تمھیں میری ہر بات کی خبر ہونی چاہیے۔۔۔ ہے نا؟" چند لمحوں کے لیے وہ رک گیا۔ پھر جیسے کسی اندرونی کشمکش کو ختم کرتے ہوئے وہ کہتا چلا گیا۔۔۔ "میں اور وہ کالج میں ساتھ پڑھتے تھے۔ مگر ہماری شادی ایک غلطی ثابت ہوئی۔ اس کے ایم بیشس نیچر کا مجھے اندازہ نہیں ہوا تھا۔۔۔

مارننگ پوسٹ کلکتے کا بہت بڑا اخبار تھا اور اس کا مالک ایک بہت دولت مند آدمی تھا۔ میں وہاں ایڈیٹر تھا۔ خاصی بڑی تنخواہ تھی۔ وہاں رہتا تو ٹاپ تک جاسکتا تھا۔ ۔۔۔ مگر اخبار کی پالیسی کی بنیادوں پر میرا وہاں نباہ نہیں ہوسکا۔۔۔ خلیج بڑھتی گئی۔۔۔ مونیکا اور میرے درمیان بھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ میں ریزائن کردوں۔۔۔ وہ دولت کی ریل پیل میں جینا چاہتی تھی اور میں نے جینے کے لیے درکار روپیوں سے زیادہ کی کبھی خواہش نہیں کی۔ میں نے استعفیٰ دے دیا۔ اور وہ میرے دوست کے ساتھ چلی گئی، جو دو دو کارخانوں کا مالک تھا۔

اب وہ کہاں ہے، مجھے نہیں معلوم۔ شاید امریکہ یا انگلینڈ میں ہے۔۔۔"

منوج چپ ہوگیا۔ لی نا بھی چپ تھی۔ میز پر آئس کریم پگھلنے لگی تھی۔

منوج چونک کر بولا۔۔۔ "لی نا تم کیا سوچنے لگیں!۔۔۔ آئس کریم کھاؤ"۔۔۔

اور وہ خود بھی کھانے میں مشغول ہو گیا۔

" آپ ان سے پیار کرتے تھے ؟ " ۔۔۔ آئس کریم کھاتے کھاتے لی نا نے اچانک پوچھا۔

منوج رک کر کپ میں پگھلتی ہوئی آئس کریم کو دیکھنے لگا ۔۔۔ " ہاں ۔۔۔ وہ بڑی جذباتی تھی بچوں کی طرح اضطراری ہو جاتی تھی ۔۔۔ اور کتنی عجیب بات ہے ، مجھے اس کی یہی چیز اچھی لگتی تھی ۔۔۔ انسانی فطرت میں کتنے راز تہہ خانوں میں چھپے ہوتے ہیں ، جن سے کوئی واقف نہیں ہوتا ۔۔۔ خود وہ بھی نہیں ہوتا ! ۔۔۔ "

(۱۴)

سیمینار میں رما کا پیپر بہت پسند کیا گیا۔ ڈاکٹر سوبراں نے اپنی صدارتی تقریر میں اس کا بہ طورِ خاص ذکر کیا۔ رما کے مائک پر آنے سے پہلے جب منوج اس کا تعارف کراتے ہوئے اس کی صلاحیتوں کی تعریف کر رہا تھا ، تو پہلی صف میں بیٹھی ہوئی آرتی بار بار اندرانی گھوش کو کہنی سے ٹھوکے دے رہی تھی ۔ اسے یہ بھی پروا نہیں رہی کہ پیچھے ہال میں بیٹھے ہوئے لوگ اسے دیکھ رہے ہیں۔

پیپر کے ختم پر جب بحث کی باری آئی ، تب بھی رما ہر سوال کا سنجیدہ اور مدلل انداز میں جواب دیتی گئی ۔ آرتی سوچ کر آئی تھی کہ کوئی ایسا اعتراض اٹھائے گی جس کا رما سے جواب بن نہ پڑے اور اس کی ہنسی اڑ جائے چناں چہ اپنی دانست میں ، سب کے آخر میں ، اس نے ایسا ہی ایک تیر چھوڑا ۔۔۔

" اگر آپ سے یہ پوچھا جائے کہ آج کے سماجی ، سیاسی اور معاشی ماحول میں

ایک سچے ادیب کا کیا فرض ہونا چاہیے ، تو اس کا کیا جواب ہوگا ؟ آپ کے پورے پیپر میں اس کا ذکر نہیں ہے ۔۔۔"

رما کے چہرے پر مسکراہٹ کی ایک مہین سی جھلک آگئی ۔۔۔" میرا پیپر ادب کے ٹرینڈز پر تھا ، ادیبوں کے فرائض پر نہیں ۔ ویسے آپ کے سوال کا جواب تو وہی ہے جو کنفیوشس نے کہا تھا ۔۔ کہ اگر تمام انسانی فرائض کو ایک لفظ میں سمو دیا جائے تو وہ لفظ ہوگا ، ہم دردی ۔

میرا بھی یہی خیال ہے ۔ سچے ادیب کا دل ہم دردی اور خلوص کا ٹھکانہ ہوتا ہے ۔ نفرت یا حسد کا نہیں ۔۔۔ اور یہی انسانی ہم دردی وہ نیوکلیس ہے جس کے گرد ادب کے سارے ٹرینڈز مختلف ناموں کے ساتھ گھومتے رہتے ہیں ۔"

رما مڑکر اپنی کرسی کی طرف جانے لگی تو سارا ہال تالیوں سے گونج اٹھا ۔ آرتی کے عین پیچھے بیٹھا ہوا پروفیسر راجن کھڑا ہوکر تالیاں بجا رہا تھا ۔ پھر جھک کر آرتی کے برابر بیٹھے ہوئے دھیرج گھوش اور اندرانی کو پر جوش انداز میں سناتے ہوئے بولا ۔۔۔

بری لی اینٹ ! ۔۔۔ از اینٹ شی ؟

آرتی کا وار خالی نہیں بلکہ الٹا پڑا ۔ رما کے جواب میں چھپے ہوئے نشتر نے اسے اور بھی تڑپا دیا ۔ ہال میں بیٹھے رہنا دو بھر ہوگیا ۔ لنچ بریک بھی قریب آگیا تھا اٹھ کر انٹرنس کے دالان میں چلی گئی ۔۔۔ اور ایک سگریٹ سلگا کر ٹہلنے لگی ۔۔۔ سوچنے لگی کہ گھر چلی جائے ۔۔۔ اسے روپیش پر بھی غصہ آرہا تھا جو سیمینار میں نہیں آیا ۔ ورنہ جانے کے لیے اسے گھوش اور اندرانی کا انتظار کرنا نہیں پڑتا ، جن کے ساتھ آئی تھی ۔

اسی دوران ایک ٹیکسی کار آکر رکی اور اس میں سے ایک عورت اتر کر انٹرنس کی سیڑھیوں پر چڑھنے لگی ۔ اس کے قدم سیدھے نہیں پڑ رہے تھے ۔ اس نے فراک پہن رکھا تھا ، اور ترشے ہوئے بال بے ترتیبی سے ہوا میں اڑ رہے تھے ۔ قریب آئی تو اس کی آنکھوں سے دیوانگی کی وحشت جھانک رہی تھی ، اور ناک کے نتھنے مرتعش ہو رہے

تھے ۔۔۔ اور پھر یک بارگی آرتی اسے پہچان گئی ۔۔۔ انیتا! پروفیسر راجن کی بیوی ۔ اس دن آرٹ گیلری میں پروفیسر کے ساتھ آئی تھی ۔۔۔

شراب کی تیز بو کا بھپکا اس وقت بھی اس کے آگے آگے چل رہا تھا ۔ آرتی کو گھورنے لگی ۔۔۔ " نہیں ۔ تو کوئی اور ہے! ۔۔۔ وہ بڈھا کہاں ہے؟ ۔۔۔ وہ سن آف دی بچ؟ ۔ جاکر کہہ دے میں اسے شوٹ کردوں گی ۔ موقع ملا تو دونوں کو ۔۔۔"

اس کی خوف ناک آواز یوں لگ رہی تھی جیسے عرصے سے خالی پڑی ہوئی کسی حویلی کے ویران در و دیوار سے گونج کر آرہی ہو ۔

ایک لمحے کے لیے آرتی کے دل میں خیال آیا کہ انیتا سے کہے کہ دونوں کو شوٹ کرنے کی ضرورت نہیں ہے ۔ اس کے بے وقوف پروفیسر کو خبر نہیں کہ رما کا افیر منوج سے چل رہا ہے ۔ مگر دوسرے ہی لمحے ایک دوسرے خیال نے چونکا دیا ۔ موقع سے فائدہ کیوں نہ اٹھائے! اس کو اطلاع مل چکی تھی کہ پروفیسر رما سے ملنے اس کے گھر گیا تھا ۔۔۔

" آپ کو پتہ ہے رما سے پروفیسر کی ملاقاتیں اس کے گھر پر ہوتی ہیں؟"

انیتا جاتے جاتے بل کھاکر رک گئی ۔۔۔ " تمھیں کیسے پتہ؟"

" مجھے سب پتہ ہے ۔"

" کس کے بارے میں؟"

" رما کے بارے میں ۔" آرتی کے لہجے میں چبھتے ہوئے طنز نے انیتا کے دل میں رما کے خلاف بھری ہوئی نفرت کے لیے مہمیز کا کام کیا ۔۔۔ " بڑی بگلا بھگت بنی پھرتی ہے ۔"

انیتا بگلا بھگت کی باتیں سننے کو بے چین ہوگئی ۔ مگر اسی وقت لوگ سیمینار ہال سے باہر آنے لگے تھے ۔ لنچ کا وقفہ ہوچکا تھا ۔ پروفیسر انیتا کو دیکھ کر تیزی سے اس کی طرف آیا ۔۔۔

" او گاڈ! ۔۔۔ انیتا تم یہاں کیوں چلی آئیں؟ یو فول ۔۔۔ چلو میرے ساتھ ۔"

اور پروفیسر اسے تقریباً دھکیلتا ہوا سیڑھیوں سے نیچے لے جانے لگا ۔ الکوہلک

انیتا کے اعضا غصے میں اور بھی زیادہ مرتعش ہونے لگے۔ آرتی کے زہر بھرے تیر نے دماغ کو بھی مفلوج کر دیا تھا۔ کسی بھی قسم کی مزاحمت اس کے بس میں نہ تھی۔

(۱۵)

دوسرے دن سویرے ہی رما دلی کے لیے روانہ ہو گئی۔ آنند کے حادثے کے بعد اس نے ہوائی جہاز سے سفر چھوڑ دیا تھا۔ اسٹیشن پر اسے چھوڑنے صرف اسوانی آیا تھا۔ منوج جانتا تھا کہ رما کب اور کہاں جا رہی ہے مگر وہ اسٹیشن نہیں گیا۔ اسے احساس تھا کہ چھتری والی کوٹھی کے در و دیوار میں برسوں سے مقید ان یادوں کے دروازے کھولتے وقت رما کی ذہنی کیفیت کیا ہوگی۔ ان لمحوں سے گزرنے کے لیے اس نے اپنے آپ کو تیار کیا تھا۔ منوج چاہتا تھا کہ وہ اس تجربے سے تنہا گزرے، جو نشتر بھی ہے اور مرہم بھی، ٹیس بھی ہے اور نجات بھی۔

رات ہی کو فون پر سیمینار میں اس کے پیپر کی مبارک باد دیتے وقت منوج نے رما سے کہہ دیا تھا وہ اسٹیشن نہیں آسکے گا کیوں کہ سیمینار کا دوسرا اور آخری دن ابھی باقی تھا۔ اور فون رکھتے ہوئے ایک لمحے کے لیے رما دھیرے سے مسکرانے لگی تھی۔ وہ جانتی تھی، سیمینار کا بہانہ نہ بھی ہوتا تو منوج اس کی تنہائی میں مخل نہ ہوتا۔

اسٹیشن پر رما نے دو تین اخبار خرید لیے تھے۔ سیمینار کی رپورٹنگ کرتے ہوئے ہر اخبار نے اس کے مضمون کی تعریف لکھی تھی۔ ٹرین روانہ ہوئی تو تفصیل سے پڑھنے لگی۔ اپنی تعریف میں بھرے ہوئے ریویو اس نے پہلے بھی بہت پڑھے تھے مگر اتنے دن بعد ان تعریفوں سے ایک عجیب سی تشفی ہو رہی تھی۔

اس دن سیمینار میں رما کو نہ پاکر آرتی کو تعجب ہوا۔ جب اس کے مخبر نے بتایا کہ وہ صبح ہی کو کہیں دور جانے کے لیے روانہ ہو گئی ہے تو تجسس اور بھی بڑھا، کیوں کہ منوج سیمینار میں موجود تھا۔ سیدھی اسوانی کے گھر پہنچی۔ وہاں اس کی بیوی نے بتایا کہ اسوانی بزنس کے سلسلے میں اسی دن کلکتے کے لیے روانہ ہو گیا ہے۔

واپسی میں اس کے ذہن کے ایک گوشے میں ایک نیا خیال کروٹیں لینے لگا۔۔۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اسوانی کلکتہ نہیں، رما کے ساتھ گیا ہے؟ کیا اب تک وہ بے وقوف بنی رہی؟۔۔۔ اور یہ سوچ کر اسے اور بھی جھلاہٹ ہو رہی تھی کہ اپنے اس شبہے کا ذکر وہ کسی سے کر بھی نہیں سکتی۔

(۱۶)

دن کے دس بج چکے تھے۔ سوپر فاسٹ اکسپریس تلنگانے کے دھان کے کھیتوں سے گزر رہی تھی جو پہاڑ کے دامن میں دور تک گہرے سبز مخمل کی طرح پھیلے ہوئے تھے۔ کھیتوں میں کلچائی کرنے والی عورتوں کے بکھرے ہوئے بال اور ساڑھیوں کے اڑتے ہوئے پلو بتا رہے تھے کہ باہر تیز ہوا چل رہی ہے۔ بے اختیار رما کا جی چاہا کہ پہاڑوں اور میدانوں سے ہو کر آنے والی ہوا کے تیز جھونکے اس کے بھی بال بکھیر دیں، ان میں بسی جنگل کی الھڑ خوش بو اس کے بوجھل دماغ میں تازگی کی لہر دوڑا دے۔۔۔ مگر فرسٹ کلاس کے اے۔ سی کیبن میں یہ سہولت کہاں! اس نے اپنا سر پیچھے کشن پر ٹکا دیا اور ادھ کھلی آنکھوں سے باہر کا منظر دیکھنے لگی۔۔۔

کیبن میں اس کے علاوہ صرف دو مسافر اور تھے۔ دونوں کسی بڑی فرم کے بزنس پارٹنر لگتے تھے۔ ہوائی جہاز میں سیٹ نہ ملنے پر سخت جھلائے ہوئے تھے۔ ناشتے

کے دوران اور اس کے بعد بھی دیر تک کسی نئے قانون پر گورنمنٹ کو گالیاں دیتے رہے۔ اب جاکر چپ ہوئے تھے۔

رما چپ چاپ باہر دیکھ رہی تھی۔ منظر اسی تیزی سے پیچھے کی طرف دوڑے جارہے تھے۔ کھیتوں کی جگہ اب اونچے اونچے پہاڑوں نے لے لی تھی جن کی ڈھلانوں پر اکا دکا گاؤں آباد تھے۔ رما کو پتہ بھی نہ چلا کہ کب اس کا ذہن ان منظروں سے کہیں تیز دوڑ کر بہت پیچھے چلا گیا تھا۔ اور اب اس کی نیم وا آنکھوں کے سامنے برسوں پرانا ایک منظر اپنی دھندلاہٹیں جھاڑ کر آ کھڑا ہو گیا تھا۔ جیسے کیمرے میں کلوز اپ ہو۔

اس دن اسے کالج جانے میں دیر ہو گئی تھی۔ کار بھی خراب تھی اور ڈرائیور اسے کارخانے لے گیا تھا۔ وہ تیز تیز قدموں سے کوٹھی کے گیٹ کے پاس پہنچی تھی کہ پیچھے سے موٹر سائیکل پر آنند آگیا آہستہ سے بولا۔۔۔

"آپ کو دیر ہو گئی ہے۔ چلیے میں آپ کو ڈراپ کردوں۔" ۔۔۔ اور رما کے کچھ کہنے سے پہلے جلدی سے کہنے لگا۔۔۔ "اب سوچیے مت۔ آجائیے۔ میرا کالج آپ کے کالج سے دور نہیں ہے۔۔۔"

رما نے پلٹ کر دیکھا۔ پورٹیکو کی سیڑھیوں پر منورما کتابیں لیے کھڑی آنند کو دیکھ رہی تھی، پیچھے سے آنٹی آرہی تھیں۔

رما اس دن دل ہی دل میں آنند سے سخت ناراض تھی۔ دو دن پہلے منوج کی سوسائٹی کی طرف سے اس کا ڈرامہ کھیلا گیا تھا اور بڑا کامیاب رہا تھا۔ جس پر سب نے اسے مبارکباد تھی، سوائے آنند کے۔۔ بلکہ ڈرامے کے بعد آنند منورما اور رنجنا کو کہیں آئس کریم کھلانے لے کر چلا گیا تھا!۔۔۔ کوٹھی میں رہتے ہوئے وہ چند ہی دنوں میں سب کا چہیتا بن گیا تھا۔۔۔ اپنی الٹی سیدھی حرکتوں سے، خوش گپیوں سے، اور سنجیدہ بن جاتا تو اپنی ذہین باتوں سے۔ منورما تو ہر وقت اس کے ساتھ چپکی پھرتی تھی۔ آنٹی بھی یہی چاہتی تھیں کہ آنند منورما کو پسند کرلے تو ان کی ایک فکر دور ہو۔۔۔

مگر اپنی تمام ناراضگی کے باوجود اس روز ذرا سے پس و پیش کے بعد رما موٹر سائیکل پر بیٹھ گئی۔

آنند نے اسٹارٹر کک دبائی تو پیچھے سے منورما کی غصے میں ڈوبی روہانسی آواز سنائی دی۔۔۔ "مگر ممی۔ آنند تو آج مجھے کالج لے جانے والا تھا!"

رما کا کالج شہر کی آبادی سے باہر زیادہ دور نہیں تھا۔ اس روز صبح ہی سے آسمان پر ہلکے ہلکے بادل جمع تھے۔ ہوا میں خنکی ابھی تک برقرار تھی۔ لمبی اور خالی سڑک پر آنند نے موٹر سائیکل کا تھراٹل گھمایا تو ٹھنڈی ہوا کے تیز نکیلے جھونکے رما کے جسم میں گدگدی کرنے لگے۔ مگر اس نے آنند کو اتنا تیز چلانے پر ٹوکا نہیں۔ ذرا سی دیر میں وہ چوراہا آگیا جہاں سے ایک سڑک کالج کے لیے جاتی تھی۔ آنند نے موٹر سائیکل کو دھیمی کر کے سڑک کی ایک طرف روک لیا۔

رما اتر کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ جیسے پوچھ رہی ہو، کیا ہوا؟

آنند ویسے ہی بیٹھا رہا۔ کالج جانے والی سڑک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔۔۔ "ادھر مڑ جائیں تو وہ سڑک روز کی طرح آپ کو کالج لے جائے گی۔۔۔ اور اگر مڑے بغیر سیدھے چلے جائیں تو یہ سڑک ہمیں شہر سے دور گھنے پیڑوں اور ندی کے پاس لے جائے گی۔ آپ کبھی اس سڑک پر گئی ہیں؟"

رما نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ جھلکنے لگی۔۔۔ چند لمحے وہ اسی طرح کھڑی رہی۔ پھر اپنا بیگ سنبھالتے ہوئے چپ چاپ آنند کے پیچھے بیٹھ گئی۔

سیدھی سڑک پر موٹر سائیکل پہلے سے بھی زیادہ تیزی سے دوڑ رہی تھی۔ آبادی کے چھدرے چھدرے نشان گھنے پیڑوں اور کھیتوں کے ہریاول میں گم ہو چکے تھے۔ آسمان پر بادل اب سیاہ ہو چلے تھے۔ ہوا کا کوئی جھونکا نمی میں ڈوبا آجاتا تو جسم میں ہلکورے بھر دیتا۔ آنند گردن اٹھا کر بادلوں کو دیکھنے لگا۔۔۔ پھر بولا۔ "۔۔۔ یہ نہ آتے تو آج کتنی کمی رہ جاتی!"

موٹر سائیکل کی آواز میں رما کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا، آنند کیا کہہ رہا ہے۔ زور سے چلا کر بولی۔۔۔ "کچھ سنائی نہیں دیا۔"

مگر آنند نے کوئی جواب نہیں دیا۔ نہ موٹر سائیکل کی رفتار کو کم کیا۔ ایک بڑے سے ٹیلے کے دامن سے سڑک بل کھا کر نکلی تو سامنے ہی برگد کے جھنڈوں کے اس پار ندی آگئی۔ پل کے پاس پیڑوں تلے موٹر سائیکل چھوڑ کر دونوں پانی کے پاس ایک پتھر پر بیٹھ گئے۔ اسی لمحے آسمان پر بادلوں کی گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ پانی کی سرد بوندوں سے بوجھل ہوا کا ایک تیز جھونکا جسموں کو چھوتا گزر گیا۔ آنند آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔۔۔

" رما۔ میں نے کہیں ایک نظم پڑھی تھی۔ کچھ اس طرح تھی۔۔۔ یہ بادل بڑے جادوگر ہیں۔ جانے کہاں سے آجاتے ہیں، دل کے ارمانوں کی طرح۔ اور پھر خود تو برس جاتے ہیں مگر ارمانوں کی آگ اپنے پانی سے اور بھڑکا دیتے ہیں۔۔۔"

پھر رک کر رما کی طرف دیکھنے لگا۔۔۔ " میں بھی کتنا بے وقوف ہوں۔ ٹھیک سے یاد بھی نہیں اور سنانے بیٹھا ہوں آپ کو!۔۔۔ کیا معلوم آپ ہی کی لکھی ہو!"

رما کچھ نہیں بولی۔ اپنی غلافی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی۔

ذرا سے توقف کے بعد آنند پھر کہنے لگا۔۔۔ " کتنی عجیب بات ہے۔ کوٹھی سے یہاں تک آپ نے ایک بات نہیں کی۔ ساری بکواس میں کیے جا رہا ہوں، ایک بے وقوف کی طرح۔"

رما مسکرا دی۔ " مجھے آپ کی طرح دل چسپ باتیں کرنی نہیں آتیں۔"

" تو غیر دل چسپ باتیں ہی کیجیے۔ چپ رہنے والوں سے مجھے ڈر لگتا ہے۔"

" کیوں؟ "

" اس لیے کہ وہ آرام سے بیٹھے دوسروں کے دل و دماغ کو کتاب کی طرح پڑھتے جاتے ہیں۔ ان کی کم زوریوں سے واقف ہو جاتے ہیں۔۔۔ اور تھوڑی دیر میں بات کرنے والے کو محسوس ہو جاتا ہے کہ اس کے سارے ہتھیار چھن چکے ہیں۔۔۔ وہ اپنے کو احمق

کے ساتھ بے بسی بھی محسوس کرنے لگتا ہے۔"

"۔۔۔تو پھر آپ اتنی باتیں کیوں کرتے ہیں؟"

"آپ کو امپریس کرنے۔ آپ تو کبھی کوئی بات کرتی نہیں۔۔۔نہ معلوم کون سی مٹی سے بنی ہیں۔ سدا کی چپ! اسی لیے آپ کے حصے کی باتیں بھی میں ہی کر ڈالتا ہوں۔"

"آپ کی ان ہی باتوں نے چھتری والی کوٹھی میں سب کا دل موہ لیا ہے۔"

آنند نے چونک کر رما کو دیکھا۔۔۔"ان سب میں۔۔۔آپ کا دل بھی ہے؟"

رما نے ایک کنکری اٹھا کر پانی میں پھینکنی چاہی مگر وہ کچھ پہلے ہی ریت پر گر گئی۔ کہنے لگی۔۔۔

"آنند صاحب۔ میں جتنا سوچتی ہوں، آپ اتنے ہی عجیب لگتے ہیں۔۔۔کبھی تازہ پھول کی طرح خوش بو بکھیر دیتے ہیں اور کبھی کانٹے کی طرح چبھ کر ٹیس بن جاتے ہیں۔۔۔زندگی کو آپ نے کھیل سمجھ رکھا ہے۔ جس میں سنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔۔۔اور آج آپ کو میرے دل کا خیال آرہا ہے!"

آنند اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا کنکر تھا۔ زور سے پھینکا تو پانی میں آواز کے ساتھ جا گرا۔۔۔

"میں جانتا ہوں۔ میں جانتا ہوں آپ ناراض ہیں۔ کیوں کہ ڈرامے کی کامیابی پر میں نے آپ کو مبارک باد نہیں دی تھی۔ مگر یہ رسمی مبارک بادیاں دینی مجھے نہیں آتیں۔

آپ نہیں جانتیں، مجھے اسٹیج پر ڈرامے دیکھنا پسند نہیں۔ مگر زندگی میں پہلی بار میں نے آپ کا ڈراما شروع سے آخر تک دیکھا۔ اس لیے نہیں کہ وہ آپ کا تھا۔ بلکہ اس لیے کہ وہ اتنا ٹھاٹ پروڈکشن تھا۔ آپ کے ڈیڈی میرے پاس بیٹھے تھے۔ وہ دیکھ رہے تھے میں کتنا متاثر ہو رہا تھا۔ جب ڈراما ختم ہوا تو مجھے لگا میں آپ کے مقابلے میں کتنا معمولی انسان ہوں۔ میں نروس ہوگیا تھا۔ آپ کے سامنے اپنی بے پناہ خوشی کا

اظہار نہیں کرسکا۔"

رما ایک دم ہنس پڑی ۔۔۔ "اور آپ نے وہ ساری خوشی منورما پر نچھاور کردی۔"

آنند نے چونک کر رما کو دیکھا جس کی ہنسی میں ایک عجیب کھوکھلا پن تھا۔ آنند کے چہرے پر سنجیدگی چھاگئی۔۔۔

" آپ ۔۔۔ ایسی بات کہیں گی، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔" اس کی آواز میں جیسے کسی چوٹ کی کسک شامل تھی۔

رما بولی ۔۔۔ " آپ کیا سمجھتے ہیں؟ ۔۔۔ میں عام عورت سے مختلف ہوں؟"

" ہاں ۔۔۔ آپ کاغذ پر کیرکٹرز زندہ کرتی ہیں تو زندہ کیرکٹرز کے دل و دماغ کو پڑھنا بھی جانتی ہیں۔ ان کے نہاں خانوں میں چھپے ان کے ولولے، ان کے خواب، ان کے خوف اور ان کے راز آپ سے چھپے نہیں رہتے ۔۔۔"

رما حیران سی آنکھوں سے اسے تکنے لگی۔ آنند کی آواز بھاری ہوکر عجیب سی لگ رہی تھی ۔۔۔ وہ پھر کہنے لگا۔۔۔

" سنو رما۔ ڈرامے والے دن میں بہت خوش تھا۔ جب بھی مجھے کوئی خوشی ملتی ہے تو میرا جی چاہتا ہے ایک راز کی طرح دیر تک اسے اپنے دل میں چھپائے رکھوں۔ اس سے مسرور ہوتا رہوں۔ کسی سے اس کی بات تک نہ کروں۔ ورنہ وہ خوشی پرائی ہوجائے گی! یہ بچوں جیسی عادت میری کمزوری رہی ہے۔۔۔ اور ۔۔۔ کیا آپ سچ مچ یہ سمجھتی ہیں کہ اس دن میں نے منورما کی خوشی کی خاطر وہ ناٹک کھیلا تھا؟ ۔۔۔ اور کیا یہ ضروری ہے کہ اپنی ہر بات اسٹیج کے اداکار کی طرح زور سے دوسروں کو سنائی جائے ۔۔۔؟"

کوشش کے باوجود رما اپنی مسکراہٹ نہ روک سکی۔ اسے اس طرح مسکراتے دیکھ کر آنند چپ ہوگیا تو رما بولی ۔۔۔

" کہتے جائیے۔ رکیے مت۔ آج پہلی بار آپ کو سنجیدہ روپ میں دیکھ رہی ہوں۔"

اسی لمحے بارش کی بوندوں کا ایک جھلّا سا آکر انھیں بھگو گیا۔ دونوں چونک کر

اٹھ کھڑے ہوئے اور پھر بوندوں کا سلسلہ بڑھنے لگا تو دونوں بچوں کی طرح جلدی سے برگد کے تناور پیڑوں تلے آگئے جہاں ان کی جڑیں زمین کے اوپر اژدہوں کی مانند پھیل گئی تھیں۔ ان پر ایک دوسرے کے مقابل بیٹھتے ہوئے دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنستے لگے۔ ہنستے چلے گئے۔ آنند کی سنجیدگی ہمیشہ کی شگفتگی میں بدل چکی تھی۔۔۔

بوندوں کی تڑتڑ آواز بتا رہی تھی کہ بارش کی رفتار بڑھتی جا رہی ہے۔۔۔

"چلیے، چھوڑیے اسٹیج اور ڈراموں کی بات۔ کوئی اور بات۔"

آنند بولا۔

"کون سی بات؟"۔۔۔ رما نے پوچھا۔

"کوئی سی۔ اپنے بچپن کی،۔۔۔ اپنی امنگوں کی۔ اپنے خوابوں کی۔۔۔ آپ نے ناولوں اور افسانوں میں پڑھا نہیں، جب دو دلوں کی دھڑکنوں میں الفاظ کھو جاتے ہیں تو بات چیت کا سلسلہ اسی طرح جوڑ لیا جاتا ہے؟"

"او ہو!۔۔۔ آپ تو باتوں باتوں میں بہت سا فاصلہ طے کر گئے!۔۔۔ آپ بڑے چالاک ہیں۔۔۔" رما یکایک رک گئی۔ پھر جب بولی تو آواز میں وہ شگفتگی جاتی رہی تھی۔۔۔ "مگر مجھے تو یہ بھی یاد نہیں کہ میں کبھی بچپن سے بھی گزری ہوں!۔۔۔ یاد ہے تو بس اتنا کہ سدا اپنی سوچوں اور ابسرڈ خیالوں کی بھول بھلیوں میں بھٹکتی رہی۔ سب کہتے تھے یہ تو بوڑھی پیدا ہوئی ہے۔"

آنند بولا۔۔۔ "مگر ابسرڈ خیالوں میں دلوں کے راز چھپے رہتے ہیں۔ آپ کیا سوچتی تھیں؟"

"اتنی کرید کیوں ہے آپ کو؟ میں نے آج تک سنایا نہیں کسی کو۔"

"کسی کو تو پہلا بنانا ہی پڑتا ہے۔"

"تو سنیے۔۔۔ جب میں سات آٹھ برس کی تھی تو سوچا کرتی تھی کہ بادلوں کے دیس سے کوئی راج کمار آئے گا اور مجھے سفید گھوڑے پر بٹھا کر اپنے ساتھ لے جائے گا۔ جب دس بارہ برس کی ہوئی تو میرا یقین شبہے میں بدلنے لگا اور پھر اس کے بعد

کانوں میں کوئی آواز بار بار کہہ گئی، نہیں۔ تو اتنی خوش نصیب نہیں۔۔۔!" رما چپ ہو گئی۔

ایک بھدی خاموشی دونوں کے درمیان معلق ہونے لگی تو آنند بے چین ہو گیا۔

" رما دیوی۔ بادلوں کا دیس بہت دور ہے۔ شاید راج کمار کو آنے میں دیر ہو گئی ہو۔۔۔ یا پھر اسے سفید گھوڑے کی تلاش ہو!"

" یا راستے میں کسی پری نے روک لیا ہو۔" رما بولی اور دونوں یک بارگی ہنس پڑے۔ فضا پھر شگفتہ ہو گئی۔

بارش اس دوران کم ہو چلی تھی۔ مگر آسمان پر کالے بادل تلے کھڑے تھے۔ رما انھیں دیکھتے ہوئے اک دم کھڑی ہو گئی۔ کہنے لگی۔۔۔ " آنند صاحب۔ ان بادلوں کے تیور ٹھیک نہیں لگتے۔ اپنی موٹر سائیکل سنبھالیے اور چلیے چلیے۔ ورنہ گھر پہنچنا مشکل ہو جائے گا۔"

واپس آتے ہوئے ابھی کچھ فاصلہ طے کیا تھا کہ گرج کے ساتھ زوروں کی بارش شروع ہو گئی۔ ذرا سی دیر میں دونوں شرابور ہو گئے۔ مگر رکے نہیں۔ آنند نے موٹر سائیکل کی رفتار اور تیز کرتے ہوئے پلٹ کر زور سے پوچھا۔۔۔ " رما دیوی۔ کیا آپ بھیگ رہی ہیں؟"

رما نے بھی چلاّ کر جواب دیا۔۔۔ " نہیں۔ بالکل نہیں۔ کیا آپ بھیگ رہے ہیں؟"

" نہیں۔۔۔ بالکل نہیں۔"

اور دونوں کے قہقہے بادلوں کی گڑگڑاہٹ میں ڈوب گئے۔۔۔

بارش اب موسلادھار ہو رہی تھی۔ ہر بوند سیدھی جسم میں پیوست ہوئی جا رہی تھی۔ آنند کو آنکھیں کھلی رکھنے میں مشکل ہو رہی تھی۔ مگر خالی سڑک پر پانی اڑاتے ہوئے موٹر سائیکل اڑی جا رہی تھی۔ آنند اور رما ایک عجیب کیفیت میں ڈوبے لطف اٹھا رہے تھے۔ اس قدر بھیگ جانے کے بعد اب رکنے کا سوال بھی نہیں تھا۔

مگر شاید قدرت نے طے کر رکھا تھا کہ وہ اس دن کو ان کی زندگی کا سب سے یادگار دن بنا دے گی۔ انھیں رکنا پڑا۔ تھوڑی ہی دیر بعد موٹر سائیکل میں کوئی خرابی پیدا ہوگئی اور وہ جھٹکے کھانے لگی۔ پھر یکایک پھٹ پھٹ کر کے خاموش ہوگئی۔ کوشش کے باوجود پھر اسٹارٹ نہیں ہوئی۔ بارش کی تیزی میں کچھ اور کرنے کا موقع نہیں تھا سوائے اس کے کہ دونوں اسے دھکیل کر پاس ہی سڑک کے ایک طرف لے آئیں جہاں گھاس کا ایک خستہ حال چھپر بانسوں پر کھڑا تھا۔ دونوں سیدھے اس میں آ کھڑے ہوئے۔

یہاں شاید بیل بندھتے تھے۔ گوبر اور بکھرے ہوئے چارے کی گیلی بو پھیلی ہوئی تھی۔ ٹوٹا پھوٹا چھپر ہر طرف سے ٹپک رہا تھا۔ پھر بھی باہر کی طوفانی بارش سے سہارے کا بہانہ ضرور تھا۔ آنند اور رما جگہ بدل بدل کر چھپر کے لگاتار ٹپکوں سے بچنے کی کوشش کرتے رہے۔ سر کے بالوں سے پانی جھٹکتے ہوئے آنند بولا۔۔۔

"فلموں میں ایسے سچویشن پر ہیرو اور ہیروئن۔۔۔ میرا مطلب ہے لڑکا اور لڑکی، کسی سڑے ٹُبے شیڈ میں نہیں، بلکہ ویران گھر میں پناہ لیتے ہیں۔ ایک کمرے میں جا کر لڑکی بھیگے کپڑے بدل کر شال لپیٹ لیتی ہے۔ پھر تھوڑی سی لکڑیوں پر ایک چھوٹی سی آگ جلا کر دونوں پاس بیٹھ جاتے ہیں۔ سردی سے کانپتے جسم آگ کے شعلوں سے دہک اٹھتے ہیں۔۔۔ لکڑیوں کی آگ سے نہیں، دلوں میں بھڑک اٹھنے والی آگ سے۔۔۔"

رما تالی بجاتے ہوئے بولی۔۔۔ "بہت خوب۔ آپ تو اچھا خاصا اسکرین پلے لکھ رہے ہیں۔ میں تو سمجھی تھی۔۔۔" رک کر ہنسنے لگی۔

"کیا سمجھی تھیں آپ؟" آنند نے اپنی آواز میں رعب شامل کر لیا تھا۔

"کچھ نہیں۔ فی الحال اس ریسٹ ہاؤس کے گرین کارپٹ پر بیٹھ جائیے جو مویشیوں کے چارے سے بنایا گیا ہے۔ اور اپنے کپڑوں کو نچوڑ ڈالیے۔"

۔۔۔ رما خود بھی ایک طرف نسبتاً کم بھیگے ہوئے چارے پر بیٹھ گئی۔ اور بالوں کو

کھول کر جھٹکنے لگی۔ پھر یکایک اپنا بیگ کھولتے ہوئے بولی۔۔۔

"اف۔۔۔ مجھے تو یاد ہی نہیں رہا۔ دیکھانا، بھیگ گئیں ساری!" اور اپنی کتابیں نکالنے لگی۔۔۔ "لائبریری کی تھیں۔"

"کوئی بات نہیں۔ سوکھ جائیں گی۔" آنند نے لاپروائی سے کہا۔

رما نے بیگ میں سے ایک چھوٹا سا پیکٹ نکالا جو پلاسٹک کے کور میں لپٹا تھا۔ اس میں دو سینڈوچس رکھے تھے۔ ایک آنند کو دیتے ہوئے بولی۔

"روز کالج کے لیے جیوتی رکھ دیتی ہے۔ میں تو بھول ہی گئی تھی۔"

آنند سینڈوچ لے کر منہ میں رکھنے لگا تو چھپر سے ایک موٹی بوند سینڈوچ پر ٹپک گئی۔۔۔ بولا "گڈ۔ اس بوند سے اور بھی مزے دار ہو جائے گا۔" اور منہ میں رکھ لیا۔۔۔ دونوں ہنس پڑے۔

سینڈوچ کھاتے ہوئے رما نے کہا۔ "۔۔۔ چلیے۔ اب آپ کی باری ہے۔ اپنے بچپن کی باتیں سنائیے۔"

"مگر میرا بچپن ختم کہاں ہوا ہے؟" ۔۔۔ اور آنند نے اپنے چہرے پر حیرت کے تمام آثار جمع کر لیے تھے۔۔۔

ٹرین کے فرسٹ کلاس اے۔ سی کوچ میں دو بزنس مینوں میں سے ایک اوپر کی برتھ پر پڑ کر سو گیا تھا۔ اس کے دھیمے دھیمے خراٹوں کی آواز سے بے نیاز رما اپنی زندگی کے اس یادگار دن کی ایک ایک تفصیل میں ڈوب چکی تھی۔ اسے یہ احساس نہیں رہا تھا کہ اس کے ہونٹوں پر دیر سے دبی دبی مسکراہٹ کھیل رہی ہے۔

بارش ذرا تھمی تو اکا دکا لوگ سڑک پر نظر آنے لگے۔ دیر سے رکی ہوئی گاڑیاں شہر [illegible] فراٹے بھرنے لگیں۔ بھیگی سڑک پر ان کے پہیوں سے گونج اٹھنے والی سیٹیاں دور تک ان کے تعاقب میں دوڑ جاتیں۔ پاس کے کھیتوں سے دو تین بیل گاڑیاں

نکل کر سڑک پر آئیں تو ایک گاڑی بان کو آنند نے راضی کر لیا۔ لکڑی کے ایک تختے کی مدد سے سب نے مل کر موٹر سائیکل گاڑی میں چڑھا دی۔ رما اور آنند بھی بیٹھ گئے۔ اور بیل گاڑی کوٹھی کے لیے روانہ ہو گئی۔

سڑک کے دونوں طرف جل تھل ایک ہو رہا تھا۔ درختوں کی شاخوں سے پرندے پر جھاڑ جھاڑ کر باہر نکل آئے تھے اور فضا ان کی آوازوں سے گنگنا اٹھی تھی ۔۔۔ آنند نے بیلوں کی رسیاں گاڑی والے سے اپنے ہاتھ میں لے لیں، اور ہانک لگاتے ہوئے لہک لہک کر گانے لگا ۔۔۔ "تو کہے اگر، میں جیون بھر، گاڑی ہی چلاتا جاؤں۔"

مڑ کر پیچھے بیٹھی ہوئی رما کی طرف دیکھا، جیسے اپنی تعریف سننی چاہتا ہو، تو رما بولی ۔۔۔ "گاڑی بان صاحب۔ لوگ ہماری طرف دیکھ رہے ہیں۔ گاڑی چلاتے ہوئے گانا بھی کیا اتنا ضروری ہے!"

"ہاں ۔۔۔ بے حد ضروری۔" آنند بولا "ایسے سچویشن میں ہیرو کبھی گانا گائے بغیر چوکتا ہے؟ ۔۔۔ بلکہ ایسے میں تو ڈوئیٹ ہوتا ہے۔"

۔۔۔ کتنی بھرپور زندگی کا مالک تھا آنند! پُر جوش ولولوں اور مسرتوں کا سر چشمہ!

اور اس روز جب بیل گاڑی چھتری والی کوٹھی میں پہنچی، تو ایک ہل چل سی مچ گئی۔ سب لوگ دوڑ کر باہر دالان میں آ کھڑے ہوئے ۔۔۔ چہروں پر کہیں پُر لطف استعجاب تھا، تو کہیں تشویش ناک جستجو۔ رما کے ڈیڈی بھی اس روز ڈیرا دون سے آئے ہوئے تھے۔ اس ملے جلے ردِ عمل کے گھیرے میں ایک وہی تھے جو ان دونوں کی اس دل چسپ آمد پر بے تحاشہ ہنسے جا رہے تھے۔ دوسروں کے برخلاف انھوں نے کچھ پوچھا بھی نہیں۔ ساری کیفیت کا خود ہی اندازہ لگا لیا تھا۔

اور جب کھانے کی میز پر آنند سب کو اپنی اس دن کی دل چسپ مگر من گھڑت داستان سنا رہا تھا، تو ڈیڈی زیرِ لب مسکرائے جا رہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر پہلے اپنے کمرے

یں انھوں نے رما سے کہا تھا۔۔۔
"بیٹی۔۔ آج کا دن تو کبھی بھلا نہ پائے گی۔"

(۱۷)

شام کو سیمینار کا آخری سیشن ختم ہو گیا۔ سیمینار توقع سے زیادہ کامیاب رہا تھا۔ ادیبوں اور دانش وروں کی تسلی بخش تعداد ہر سیشن میں موجود رہی تھی۔ سب لوگ منوج کی ستائش کر رہے تھے جو آرٹ سوسائٹی کا روحِ رواں تھا اور جس نے سیمینار منظم کیا تھا۔

الہ آباد سے آنے ہوئے پروفیسر سوران اور کلکتے سے آئے ہوئے پنکج سرکار اسی دن لوٹ جانا چاہتے تھے۔ انھیں ایرپورٹ پر وداع کر کے منوج لوٹا تو رات کے ساڑھے سات بج چکے تھے۔ لی نا ابھی تک ساتھ تھی۔ دو دن کی گہما گہمی کے بعد یکایک منوج کا جی چاہنے لگا کہ راستے میں اپنے کلب میں رک کر اچھا سا کھانا کھائے اور تھوڑی دیر اپنے آپ کو خالی الذہن چھوڑ دے۔ وہ لی نا کو لے کر کلب چلا گیا۔

کھانے کے دوران لی نا نے کوئی بات نہیں کی۔ وہ منوج کے مزاج کو جانتی تھی۔ جب بیرا برتن اٹھا کر لے گیا تو اس نے آہستہ آہستہ باتوں کا سلسلہ شروع کیا کیوں کہ خاموشی اب دوبھر ہوئی جا رہی تھی۔ ڈرتے ڈرتے پوچھا۔۔۔ "سر۔ اب آپ مجھے ڈراپ کر کے سیدھے گھر جائیں گے نا؟"

تھوڑے سے تامل کے بعد منوج نے پوچھا۔۔۔ "یہ کیوں پوچھ رہی ہو؟" مگر لہجے کی ملائمت سے لی نا کی ڈھارس بندھی۔

" اس لیے کہ آپ تھک گئے ہیں۔ آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔"
منوج نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی خواب آگیں نظریں لی نا کے چہرے پر تھیں مگر لگتا تھا وہ کہیں اور دیکھ رہا ہے۔ لی نا نے ہی پھر کہا۔۔۔
"میرا مطلب ہے، اب آپ نو بجے اس فلم کی مہورت والے فنکشن میں نہ جائیں۔"
منوج نے اپنے ذہن سے ان تمام سوچوں کو یکبارگی جھٹک دیا جن کے مہین جال نے اسے جکڑ لیا تھا۔۔۔ " نہیں لی نا۔ میرا جانا ضروری ہے۔ میں نے وعدہ کر رکھا ہے۔ روپیش کو پہلی بار لیڈنگ رول ملا ہے۔ مہورت شاٹ اسی پر ہے۔" ۔۔۔ پھر رک کر دھیرے سے مسکراتے ہوئے بولا " ۔۔۔ مگر وہاں سے جلد ہی واپس ہو جاؤں گا۔"
اور پھر ایک بار دونوں چپ ہو گئے۔ اب کی بار خاموشی کو منوج ہی توڑتے ہوئے بولا۔۔۔ " لی نا۔ سیمینار کے کاموں میں تم نے میرا بہت ہاتھ بٹایا۔ آئی تھینک یو۔"
" سیمینار کی کامیابی پر آپ خوش تو ہیں نا ؟ "
" تمھیں شک کیوں ہو رہا ہے ؟ "
" اس لیے کہ آپ کب خوش ہوتے ہیں، اور کب نہیں، پتہ نہیں چلتا ۔۔۔ ویسے بھی آپ کو خوش دیکھنے کا موقع کم ہی ملتا ہے۔"
۔۔۔ منوج ہنس پڑا ۔۔۔ " نہیں لی نا۔ میں سچ مچ خوش ہوں۔"
" اور یہ خوشی اس لیے اور بھی ہے کہ رما دیوی نے بھی پیپر پڑھا ۔۔۔ اور سب نے بہت پسند کیا ؟ "
منوج نے چونک کر لی نا کی طرف دیکھا، جو متجسس نگاہوں سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔ چند لمحے اسی طرح دیکھتا رہا۔ پھر جانے کے لیے آہستہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔۔۔
" یس۔ یو آر رائیٹ۔" اس کی آواز ہمیشہ کی طرح نارمل تھی۔

(۱۸)

مہورت شاٹ ختم ہوا تو تالیوں کی گونج میں منوج نے بڑھ کر روپیش کو مبارک باد دی ۔ ڈائرکٹر اور پروڈیوسر سے بھی خیر سگالی کے جملے کہے ۔ اور ناریل کا ٹکڑا اور لڈو لے کر حسین چہروں اور زرق برق لباس کی ریل پیل سے ہٹ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا ۔

۔۔۔ ہر طرف مسکراہٹیں اور روشنیاں اور رنگینی بکھری تھی ۔۔۔ کون کہتا ہے دنیا میں رنج اور افلاس کا وجود ہے ! صرف شادمانیاں ہیں ، اور فراوانی ہے ، اور مسکراہٹیں ہیں ۔۔۔ منوج مسکرانے لگا ۔ مگر اس مسکراہٹ میں طنز کی کسک تھی ۔۔۔ ان فرماشی قہقہوں اور کھوکھلی رنگینیوں میں کتنے دلوں کی آرزوؤں کی شکست کے چھناکے اور رنج و حسد کے شعلوں کی لپٹیں پوشیدہ تھیں ! رقابتوں کی کشاکش سے لب ریز گلیمر کی یہ دنیا منوج کو کتنی مصنوعی لگ رہی تھی !

آرتی آگے بڑھ کر روپیش کو مبارک باد دینا چاہتی تھی ، مگر روپیش نے اس کی طرف توجہ نہیں دی ۔ وہ ہیروئن کے ساتھ کھڑا تھا ۔ اور کیمروں کی فلیش لائٹیں مسلسل چھک چھک کرتی ان پر سے گزر رہی تھیں ۔ مختلف پوزوں میں تصویریں لی جارہی تھیں ۔ آرتی کی مضطر طبیعت اس ہزیمت پر آگ بگولہ ہو گئی ۔

کاگ اچھل رہے تھے ۔ گلاسوں میں شراب انڈیلنے کی آوازیں مچل رہی تھیں ۔ فضا وسکی کی بو سے بوجھل ہوئی جارہی تھی ۔ منوج وہاں سے چلا آیا ۔

کار اسٹارٹ کرتے ہوئے منوج اچانک رک گیا ۔ پلٹ کر دیکھا تو بائیں طرف

نکل کر سڑک پر آئیں تو ایک گاڑی بان کو آنند نے راضی کرلیا۔ لکڑی کے ایک تختے کی مدد سے سب نے مل کر موٹر سائیکل گاڑی میں چڑھا دی۔ رما اور آنند بھی بیٹھ گئے۔ اور بیل گاڑی کوٹھی کے لیے روانہ ہو گئی۔

سڑک کے دونوں طرف جل تھل ایک ہو رہا تھا۔ درختوں کی شاخوں سے پرندے پر جھاڑ جھاڑ کر باہر نکل آئے تھے اور فضا ان کی آوازوں سے گنگنا اٹھی تھی۔۔۔ آنند نے بیلوں کی رسیاں گاڑی والے سے اپنے ہاتھ میں لے لیں، اور ہانک لگاتے ہوئے لہک لہک کر گانے لگا۔۔ "تو کہے اگر، میں جیون بھر، گاڑی ہی چلاتا جاؤں۔"

مڑ کر پیچھے بیٹھی ہوئی رما کی طرف دیکھا، جیسے اپنی تعریف سننی چاہتا ہو، تو رما بولی۔۔۔ "گاڑی بان صاحب۔ لوگ ہماری طرف دیکھ رہے ہیں۔ گاڑی چلاتے ہوئے گانا بھی کیا اتنا ضروری ہے!"

"ہاں۔۔۔ بے حد ضروری۔" آنند بولا "ایسے سچویشن میں ہیرو کبھی گانا گائے بغیر چوکتا ہے؟۔۔۔ بلکہ ایسے میں تو ڈوئیٹ ہوتا ہے۔"

۔۔۔ کتنی بھرپور زندگی کا مالک تھا آنند! پُرجوش ولولوں اور مسرتوں کا سرچشمہ!

اور اس روز جب بیل گاڑی چھتری والی کوٹھی میں پہنچی، تو ایک ہل چل سی مچ گئی۔ سب لوگ دوڑ کر باہر دالان میں آ کھڑے ہوئے۔۔۔ چہروں پر کہیں پُرلطف استعجاب تھا، تو کہیں تشویش ناک جستجو۔ رما کے ڈیڈی بھی اس روز ڈیرا دون سے آئے ہوئے تھے۔ اس ملے جلے ردِّ عمل کے گھیرے میں ایک وہی تھے جو ان دونوں کی اس دل چسپ آمد پر بے تحاشہ ہنسے جا رہے تھے۔ دوسروں کے برخلاف انھوں نے کچھ پوچھا بھی نہیں۔ ساری کیفیت کا خود ہی اندازہ لگا لیا تھا۔

اور جب کھانے کی میز پر آنند سب کو اپنی اس دن کی دل چسپ مگر من گھڑت داستان سنا رہا تھا، تو ڈیڈی زیرِ لب مسکرائے جا رہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر پہلے اپنے کمرے

میں انھوں نے رما سے کہا تھا۔۔۔
"بیٹی۔۔ آج کا دن تو کبھی بھلا نہ پائے گی۔"

(۱۷)

شام کو سیمینار کا آخری سیشن ختم ہو گیا۔ سیمینار توقع سے زیادہ کامیاب رہا تھا۔ ادیبوں اور دانش وروں کی تسلی بخش تعداد ہر سیشن میں موجود رہی تھی۔ سب لوگ منوج کی ستائش کر رہے تھے جو آرٹ سوسائٹی کا روحِ رواں تھا اور جس نے سیمینار منظم کیا تھا۔

الہ آباد سے آئے ہوئے پروفیسر سوبران اور کلکتے سے آئے ہوئے پنکج سرکار اسی دن لوٹ جانا چاہتے تھے۔ انھیں ایرپورٹ پر وداع کر کے منوج لوٹا تو رات کے ساڑھے سات بج چکے تھے۔ لی نا ابھی تک ساتھ تھی۔ دو دن کی گہما گہمی کے بعد یکایک منوج کا جی چاہنے لگا کہ راستے میں اپنے کلب میں رک کر اچھا سا کھانا کھائے اور تھوڑی دیر اپنے آپ کو خالی الذہن چھوڑ دے۔ وہ لی نا کو لے کر کلب چلا گیا۔

کھانے کے دوران لی نا نے کوئی بات نہیں کی۔ وہ منوج کے مزاج کو جانتی تھی۔ جب بیرا برتن اٹھا کر لے گیا تو اس نے آہستہ آہستہ باتوں کا سلسلہ شروع کیا کیوں کہ خاموشی اب دو بھر ہوئی جا رہی تھی۔ ڈرتے ڈرتے پوچھا۔۔۔ "سر۔ اب آپ مجھے ڈراپ کر کے سیدھے گھر جائیں گے نا؟"

تھوڑے سے تامل کے بعد منوج نے پوچھا۔۔۔ "یہ کیوں پوچھ رہی ہو؟" مگر لہجے کی ملائمت سے لی نا کی ڈھارس بندھی۔

"اس لیے کہ آپ تھک گئے ہیں۔ آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔"
منوج نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی خواب آگیں نظریں لی نا کے چہرے پر تھیں مگر لگتا تھا وہ کہیں اور دیکھ رہا ہے۔ لی نا نے ہی پھر کہا۔۔۔
"میرا مطلب ہے، اب آپ نو بجے اس فلم کی مہورت والے فنکشن میں نہ جائیں۔"
منوج نے اپنے ذہن سے ان تمام سوچوں کو یکبارگی جھٹک دیا جن کے مہین جال نے اسے جکڑ لیا تھا۔۔۔ "نہیں لی نا۔ میرا جانا ضروری ہے۔ میں نے وعدہ کر رکھا ہے۔ روپیش کو پہلی بار لیڈنگ رول ملا ہے۔ مہورت شاٹ اسی پر ہے۔" ۔۔۔ پھر رک کر دھیرے سے مسکراتے ہوئے بولا "۔۔۔ مگر وہاں سے جلد ہی واپس ہو جاؤں گا۔"
اور پھر ایک بار دونوں چپ ہو گئے۔ اب کی بار خاموشی کو منوج ہی توڑتے ہوئے بولا۔۔۔ "لی نا۔ سیمینار کے کاموں میں تم نے میرا بہت ہاتھ بٹایا۔ آئی تھینک یو۔"
"سیمینار کی کامیابی پر آپ خوش تو ہیں نا؟"
"تمھیں شک کیوں ہو رہا ہے؟"
"اس لیے کہ آپ کب خوش ہوتے ہیں، اور کب نہیں، پتہ نہیں چلتا۔۔۔ ویسے بھی آپ کو خوش دیکھنے کا موقع کم ہی ملتا ہے۔"
۔۔۔ منوج ہنس پڑا۔۔۔ "نہیں لی نا۔ میں سچ مچ خوش ہوں۔"
"اور یہ خوشی اس لیے اور بھی ہے کہ رما دیوی نے بھی پیپر پڑھا۔۔۔ اور سب نے بہت پسند کیا؟"
منوج نے چونک کر لی نا کی طرف دیکھا، جو متجسس نگاہوں سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔ چند لمحے اسی طرح دیکھتا رہا۔ پھر جانے کے لیے آہستہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔۔۔
"یس۔ یو آر رائیٹ۔" اس کی آواز ہمیشہ کی طرح نارمل تھی۔

(۱۸)

مہورت شاٹ ختم ہوا تو تالیوں کی گونج میں منوج نے بڑھ کر روپیش کو مبارک باد دی۔ ڈائرکٹر اور پروڈیوسر سے بھی خیر سگالی کے جملے کہے۔ اور ناریل کا ٹکڑا اور لڈو لے کر حسین چہروں اور زرق برق لباس کی ریل پیل سے ہٹ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

۔۔۔ ہر طرف مسکراہٹیں اور روشنیاں اور رنگینی بکھری تھی۔۔۔ کون کہتا ہے دنیا میں رنج اور افلاس کا وجود ہے! صرف شادمانیاں ہیں، اور فراوانی ہے، اور مسکراہٹیں ہیں۔۔۔ منوج مسکرانے لگا۔ مگر اس مسکراہٹ میں طنز کی کسک تھی۔۔۔ ان فرمائشی قہقہوں اور کھوکھلی رنگینیوں میں کتنے دلوں کی آرزوؤں کی شکست کے چھناکے اور رنج و حسد کے شعلوں کی لپٹیں پوشیدہ تھیں! رقابتوں کی کشاکش سے لب ریز گلیمر کی یہ دنیا منوج کو کتنی مصنوعی لگ رہی تھی!

آرتی آگے بڑھ کر روپیش کو مبارک باد دینا چاہتی تھی، مگر روپیش نے اس کی طرف توجہ نہیں دی۔ وہ ہیروئن کے ساتھ کھڑا تھا۔ اور کیمروں کی فلیش لائٹیں مسلسل چھک چھک کرتی ان پر سے گزر رہی تھیں۔ مختلف پوزوں میں تصویریں لی جارہی تھیں۔ آرتی کی مضطر طبیعت اس ہزیمت پر آگ بگولہ ہو گئی۔

کاگ اچھل رہے تھے۔ گلاسوں میں شراب انڈیلنے کی آوازیں مچل رہی تھیں۔ فضا وھسکی کی بو سے بوجھل ہوئی جارہی تھی۔ منوج وہاں سے چلا آیا۔

کار اسٹارٹ کرتے ہوئے منوج اچانک رک گیا۔ پلٹ کر دیکھا تو بائیں طرف

کار سے لگی آرتی کھڑی تھی۔ چپ چاپ پٹ کھول کر منوج کے برابر سیٹ پر آ بیٹھی اور اس کی طرف دیکھے بغیر بھاری آواز میں بولی "۔۔۔ منوج صاحب۔ گھر چلیے؟"

"گھر۔۔۔؟" منوج نے پوچھا۔

"ہاں۔ آپ کو جہاں بھی جانا ہے، پہلے مجھے ڈراپ کرتے جائیے۔"

"بات کیا ہے آرتی؟ ۔۔۔ تم ڈسٹرب سی لگتی ہو!"

"کوئی سوال مت کیجیے مسٹر منوج ۔۔۔ آپ مجھے لے چلتے ہیں یا نہیں؟"

منوج نے کار اسٹارٹ کردی۔ اور خاموشی سے پارکنگ لاٹ سے باہر نکل آیا۔

دو تین روڈ کراسنگ سگنلس کو پار کرنے کے بعد آرتی نے کار میں معلق اضطراب آمیز خاموشی کو توڑا۔۔۔ "آپ غصّے میں ہیں؟"

"نہیں۔۔۔"

"میرے اس عجیب سے بی ہیویر پر آپ کو برا نہیں لگا؟"

"نہیں۔ کیوں کہ یہ عجیب سا بی ہیویر، تمھارا نارمل بی وہیویر ہے۔"۔۔۔ منوج نے مڑکر کہا۔ اور دونوں مسکرانے لگے۔

"عجیب بات تو یہ ہے منوج صاحب، کہ آج آپ اس طرح مل گئے۔۔۔ ورنہ آپ کو پانا آسان کہاں؟ اب آپ نے اتنی مہربانی کی ہے تو مجھے ڈراپ کر کے چلے مت جائیے۔ کچھ دیر رکیے میرے ساتھ۔ میں کئی روز سے چاہتی تھی، کہ آپ سے کچھ باتیں کروں۔"

"کیسی باتیں؟"

"اپنی باتیں۔۔۔ میری اپنی باتیں۔" منوج کچھ کہنے لگا تو روک کر جلدی سے بولی ۔۔۔ "نہیں۔ آج آپ انکار مت کیجیے۔"

سڑکیں ویران ہو چلی تھیں۔ ہوا میں رات کی خوش گوار خنکی آگئی تھی، جس کے سرسراتے جھونکوں میں اسٹریٹ لائیٹس نے ابھی سے اونگھنا شروع کردیا تھا۔ منوج کو لگا جیسے دن بھر کی تھکن نے اس سے آرتی کی کسی بھی بات سے انکار کرنے کی

طاقت سلب کرلی ہے۔

۔۔۔ دھیمی دھیمی روشنی میں آرتی کے کمرے کی فضا فسوں آمیز ہوگئی تھی۔ مہین نائٹ گون نے آرتی کے جسم کی رعنائیوں کو اور دل فریب بنادیا تھا۔ آنکھوں کے سرخ ڈورے اور گالوں کی دمک شراب کے اثر کی غمازی کر رہے تھے۔ ہاتھ میں جام تھامے وہ منوج کے سامنے ایسے انداز میں کھڑی تھی جیسے کسی ٹیبلو کا سین ہو۔

منوج کرسی پر بیٹھا تھا۔ آرتی پر سے نظریں ہٹا کر اس نے اپنے گلاس کو دیکھا جو آدھا خالی ہوا تھا۔ ایک گھونٹ لے کر دھیمے سے بولا۔۔۔ "نہیں۔ آرتی۔ یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔۔۔ جو تم چاہتی ہو، میں نہیں کرسکتا۔"

"کیوں نہیں کرسکتے؟"۔۔۔ آرتی کی آواز عجیب سی لگ رہی تھی۔

"تمھاری نظموں میں ابھی وہ گہرائی اور اثر نہیں آیا ہے کہ۔۔۔ میں ان پر کچھ لکھوں۔۔۔ ان نظموں کو ابھی اپنے پاس رکھو۔"

آرتی منوج کے اور پاس آگئی۔۔۔ "کیا آپ میرے لیے اتنی سی چیز نہیں کرسکتے؟"

اس کی بھاری اور لرزاں آواز نے منوج کو چونکا دیا۔۔۔ وہ منوج کے آگے دو زانو ہوکر بیٹھ گئی، اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہنے لگی۔۔۔ "وہ گہرائی اور اثر میری نظموں میں نہ سہی، میری نظروں میں بھی محسوس نہیں کرتے آپ؟۔۔۔ دیکھیے۔۔۔ ان میں جھانک کر دیکھیے۔۔۔"

منوج گلاس تپائی پر رکھ کر کھڑا ہوگیا۔۔۔ "آرتی۔ تم اس وقت ہوش میں نہیں ہو۔"

ہار نہ جاننے والی آرتی تڑپ اٹھی۔ بجلی کی طرح بل کھا کر کھڑی ہونے لگی تو ۔۔ سے تپائی پر رکھا منوج کا گلاس ایک چھناکے کے ساتھ گر کر ٹوٹ گیا۔ مگر آرتی نے ۔۔ ن طرف دیکھا بھی نہیں۔ اس کی شعلہ فشاں نظریں اس وقت منوج میں پیوست ہوئی

جا رہی تھیں ۔۔۔ چہرے کا رنگ بدل کر یک لخت ڈراؤنا سا ہو گیا تھا ۔۔۔

"کیا آپ کے قلم کا سارا زور صرف رما کے لیے ہے ؟ سارا اثر اور ساری گہرائی صرف اسی میں نظر آتی ہے آپ کو ؟" اس کی کرخت اور مرتعش آواز یوں لگ رہی تھی جیسے پھٹی ہوئی پتنگ ہوا میں پھڑ پھڑا رہی ہو ۔۔۔ "کیا دیکھا آپ نے اس میں، جو اس قدر مرے جا رہے ہیں اس پر ؟" ۔۔۔ وہ اپنا سارا زہر اگل دینے پر تُل گئی تھی ۔

"شٹ اپ ۔ کیا بک رہی ہو ؟" منوج کی آواز غصے میں کانپنے لگی تھی ۔۔۔ "کیا یہی سب کہنے کے لیے روکا تھا مجھے ؟"

مگر دوسرے ہی لمحے منوج نے اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا ۔ آگے کچھ کہے بغیر چپ چاپ کھڑا آرتی کو دیکھنے لگا، جس کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک جا رہا تھا ۔ اس نے وہاں سے چلے جانے کی نیت سے قدم بڑھایا ہی تھا کہ تیزی سے دوڑ کر آرتی نے دروازہ اندر سے بند کر لیا ۔۔۔ اور پلٹ کر منوج کو دیکھنے لگی اس کے چہرے پر عجیب وحشت برس رہی تھی ۔ جیسے گھری ہوئی بلی کی طرح جست لگا کر منوج کا چہرہ نوچ ڈالے گی ۔

"اتنا برا لگا اس کا نام سن کر ؟ ۔۔۔ اور اگر میں نہ جانے دوں آپ کو ؟ ۔۔۔ زبردستی کروں، شور مچاؤں ؟ یہ میرا گھر ہے ۔" طنز بھری مسکراہٹ کے زہر نے چہرے کو اور بھیانک بنا دیا تھا ۔

منوج نے کوئی جواب نہیں دیا ۔ بڑھتا ہوا آرتی کے پاس آ گیا ۔ اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہنے لگا ۔۔۔ "چپ کیوں ہو ؟ ۔۔۔ بلاؤ سب کو ؟ مچاؤ شور ؟ ۔۔۔ یہ تمھارا ہی گھر ہے تمھاری ہی عزت کا پاسباں !"

منوج یکایک رک گیا ۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے آرتی جو جذبات کے سیلاب میں بید کی طرح کانپ رہی تھی، اب اس کے سامنے نچڑے ہوئے کپڑے کی طرح بے جان کھڑی تھی ۔ آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے تھے اور ستے ہوئے چہرے پر خزاں کی اداس

دھوپ کی زردی پھیل گئی تھی۔ ہونٹوں پر بھنچی بھنچی لرزش تھی جو کسی اندرونی کرب کی نشان دہی کر رہی تھی۔۔۔

اور پھر سوکھے پتے کی طرح جھول کر وہ منوج کے کاندھے پر آگری۔ رگ رگ میں چھایا ہوا تناؤ آنسوؤں کے ریلے میں بہہ نکلا۔ پھوٹ پھوٹ کر بچوں کی طرح رونے لگی۔۔بڑی ملائمت سے منوج اس کی پیٹھ پر تھپکتے ہوئے بولا۔۔۔

" آرتی تمھیں آرام کی ضرورت ہے۔ جاؤ نیند کی گولی کھا کر سوجاؤ۔"

(۱۹)

منوج دوسرے دن آفس پہنچا تو لی نا نے میز پر خطوں اور کاغذوں کا ڈھیر پھیلا دیا۔ پچھلے دو دنوں میں منوج نے سیمینار کی وجہ سے آفس کا رخ بھی نہیں کیا تھا۔ جلدی جلدی خطوں پر نظر ڈال کر انھیں دوسرے کاغذوں کے ساتھ ایک طرف سرکا دیا۔ اور لی نا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔۔۔ "لی نا۔ تم کئی دن سے کہہ رہی تھیں، تمھیں دو دن کا آف چاہیے۔"

لی نا نے چونک کر منوج کو دیکھا۔ اس کی آواز عجیب سی لگی۔ جیسے اس میں کوئی اندرونی اضطراب چھپا ہوا ہو۔ وہی اضطراب اس کے چہرے پر بھی نظر آرہا تھا۔ لی نا نے ہولے سے گردن ہلا کر ہاں کی۔

منوج کہنے لگا۔ " کل اور پرسوں تمھیں آنے کی ضرورت نہیں۔ آفس بند رہے گا۔۔۔"

لی نا حیران سی منوج کو دیکھنے لگی۔۔۔ " آپ کہیں جا رہے ہیں؟"

"ہاں ... لی نا سے نظریں ہٹاتے ہوئے منوج بولا۔

"کہاں جا رہے ہیں سر؟"

"تمھیں اس سے کیا؟" منوج نے یکایک درشت لہجے میں کہا "۔۔۔ اور پھر تم ہوتی کون ہو، یہ سب جاننے والی؟"

لی نا سن سے سہم کر رہ گئی۔ جیسے منوج نے اسے تھپڑ مار دیا ہو۔ صدمے سے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ منوج کو خود بھی اپنے چڑچڑے پن پر تعجب ہو رہا تھا۔ اسس کے منھ سے ایسے الفاظ کیسے نکلے!

پچھلی رات کے ہیجان انگیز تجربے کے تناؤ نے اسس کے دماغ کو ماؤف کر رکھا تھا۔ سنبھل کر دھیمی آواز میں بولا۔۔۔ "آئی ایم ساری لی نا،۔۔۔ مجھے معاف کردو۔" اس کے لہجے میں اب درشتی نہیں تھی۔۔۔ "مجھے تم سے ایسی بات نہیں کہنی چاہیے تھی۔"

لی نا کی آنکھ کے آنسو واپس ہوگئے۔ سارا صدمہ آنِ واحد میں کافور ہوگیا۔۔۔

"کوئی بات نہیں سر۔ آپ مجھ پر غصہ بھی کر سکتے ہیں۔"

"ہاں لی نا۔ ایک تم ہی تو ہو جس پر غصہ بھی کر لیتا ہوں۔"

لی نا پھٹی پھٹی آنکھوں سے منوج کو تکنے لگی۔ خوشی سے چہرے کا رنگ بدلنے لگا۔۔۔

"اچھا بتاؤ۔ کیا کرو گی یہ دو دن۔۔۔؟" لی نا کے کچھ کہنے سے پہلے ہی منوج نے گفتگو کا رخ بدل دیا۔

"میں نے کہا تھا نا، گھر شفٹ کرنا ہے۔۔۔ ایک دوسرا اچھا گھر مل گیا ہے۔"

۔۔۔ لی نا نے بتایا۔ دونوں کے بیچ اب پھر وہی سبک اور مانوس فضا لوٹ آئی تھی۔

"ممی کیسی ہیں؟ ۔۔۔ تم نے بتایا تھا، ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے؟"

"اب ٹھیک ہیں، سر۔"

"اور ۔۔۔ تمھارے اسس لڑکی کا کیا حال ہے؟ کب آرہا ہے پونا سے تم سے

ملنے؟"۔۔۔ منوج نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ابھی تو گیا ہے مل کر۔۔۔ اب پندرہ دن بعد ہی آئے گا،۔۔۔ ویک انڈ پر۔"

"تم نے ممی سے ملایا اس کو؟۔۔۔ شادی کی بات چیت ہوئی کچھ؟" منوج نے لی نا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے پوچھا۔ اور لی نا نے کوئی جواب نہیں دیا تو پھر کہنے لگا۔۔۔

"کیوں نہیں ملایا اب تک؟۔۔۔ وہ اتنا بے چین ہو رہا ہے، شادی کے لیے؟"

"ممی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔۔۔ وقت نہیں ملا۔" لی نا نے آہستہ سے کہا۔

"وقت نہیں ملا!۔۔۔ بے وقوف لڑکی، وقت کے ذرا سے پھیر بدل سے پلین نکل جاتے ہیں۔ ریلیں چھوٹ جاتی ہیں۔۔۔ وقت کہیں لوٹ کر آتا ہے؟"۔۔۔ منوج کی آواز میں دفعتہً عجیب کاٹ سی آگئی تھی جس نے لی نا کو چونکا دیا۔۔۔ "گھبراؤ نہیں۔۔۔ اب جو آئے تو اپنے تئے گھر لے جاؤ۔ ممی سے ملاؤ۔۔۔ اور شادی کر لو۔"

منوج کو دیکھ کر لی نا بھی مسکرانے لگی۔۔۔ "پھر آپ کا کام کون کرے گا، سر؟"

"یہ میرے سوچنے کی بات ہے،۔۔۔ نادان لڑکی۔ کوئی کسی کے لیے اپنی زندگی ویران نہیں کرتا۔۔۔" لی نا کے چہرے پر سے نظریں ہٹائے بغیر منوج نے جواب دیا۔

لی نا کی مسکراہٹ اپنی جگہ منجمد ہو گئی۔ منوج کی آواز پھر پہلے کی طرح اجنبی ہو گئی تھی۔۔۔ وہی اضطرار، وہی بے چینی اپنے اندر چھپائے ہوئے۔ چہرے پر بھی وہی اضطراب آمیز کیفیت جھلکنے لگی۔ دفعتہً دونوں کو محسوس ہوا کہ فضا پھر بوجھل ہوتی جا رہی ہے۔

نئی سگریٹ سلگاتے سلگاتے واپس پیکٹ میں رکھ کر منوج یکایک اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔۔۔ "لی نا۔ میں جا رہا ہوں۔ تم بھی چلی جاؤ۔۔۔ اور گھر شفٹ کر ڈالو۔"

منوج کی کار اب شہر سے نکل کر ہائی وے پر ایک ہموار رفتار سے جا رہی تھی۔ سڑکوں کی بھیڑ بھاڑ اور آلودگیاں پیچھے چھوڑ آنے پر بھی منوج کی گھٹن ویسی ہی برقرار تھی۔ پچھلی سیٹ پر سوٹ کیس میں اس کے کچھ ضروری کپڑے تھے جو گھر سے لے لیے تھے۔ تین وھسکی کی بوتلیں بھی تھیں جو راستے میں خریدلی تھیں۔

ہر لمحہ اسے پناہ کی منزل کی طرف لے جارہا تھا، پھر بھی اس بار وہ اپنے احساس کے سارے دریچے بند نہ کر پایا تھا۔ جو ہیجان پچھلی رات سے اس کے دماغ میں مچا تھا اس نے اس اعتماد کو اتھل پتھل کر دیا تھا جو اسے خود پر تھا۔

ہائی وے پر اب منوج کافی دور نکل آیا تھا۔ جگہ جگہ چھوٹے بڑے ڈھابوں پر اکا دکا ٹرک کھڑے تھے مگر رش کا وقت ابھی شروع نہیں ہوا تھا۔ ان ہی میں ایک چھوٹے سے ڈھابے پر منوج اپنی کار کو دھیما کر کے پچھواڑے کے رخ پر لے گیا۔ اور ایک درخت کے نیچے کھڑا کر دیا۔ درخت کے نیچے ایک دھان پان بوڑھا بیٹھا کھانس رہا تھا۔ اٹھ کر پاس آیا۔ منوج کو دیکھتے ہی سلام کیا۔ اور پچھلے دروازے کے پاس جاکر زور سے بولا۔۔۔

"جمیّ۔۔۔ دیکھ صاحب آئے ہیں۔"

اتنی دیر میں جمیّ موٹر کو دیکھ کر خود ہی باہر آگئی تھی۔ اچھی خاصی عمر کی فربہ اندام جمیّ اپنے رکھ رکھاؤ سے عمر میں آٹھ دس سال چھوٹی لگتی تھی۔ ڈھابے کی مالکن تھی۔ آتے ہی مسکرا کر پوچھنے لگی۔۔۔

"کیسے ہو صاحب؟۔۔۔ اب کے بہت دن میں آئے؟"

منوج نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سوٹ کیس نکال کر موٹر کو لاک کر دیا۔ اور جمیؔ اسے لے کر اندر چلی گئی۔

دیہات کے اکثر گھروں کی طرح یہ بھی ایک رہائشی گھر تھا جس کے اگلے اور کھلے حصے کو جمیؔ ڈھابے کی طرح استعمال کر رہی تھی۔ دروازہ ایک چھوٹے سے دالان میں کھلتا تھا، جس پر کویلو کی چھت تھی۔ دونوں طرف دو کمرے تھے، چھوٹے چھوٹے سے۔

منوج جانتا تھا دائیں ہاتھ والا کمرا مکان کا بیڈروم ہے۔ اسی کی چوکھٹ پر نرملی کھڑی مسکرا رہی تھی۔۔۔ نہ بناؤ نہ سنگھار۔ نہ ڈھنگ کے کپڑے۔ بالوں کی ایک لٹ پیشانی پر سے ہوتی گال پر جھول رہی تھی۔ لگتا تھا، کوئی کام کرتے کرتے اٹھ آئی ہے۔ مگر چہرے پر وہی مسرت تھی جو کسی کے اچانک آجانے پر کھل اٹھتی ہے،۔۔۔ وہ جو غیر نہ ہو۔ اپنا ہو۔

۔۔۔ اور اپنائیت تو بس ایک دوسرے کو سمجھ لینے کا نام ہے۔ جس کا اظہار الفاظ کا سہارا نہیں ڈھونڈھتا۔ نہ وہ کسی رشتے یا بندھن کی محتاج ہے۔ وہ تو بس خود سپردگی کے اس کیف کا نام ہے جو نہ کوئی سوال پوچھتا ہے، اور نہ کوئی جواب دینا چاہتا ہے۔ اس وقت نہ وہاں بیتا ہوا کل ہوتا ہے اور نہ آنے والا کل۔ بس وقت کے یہ منجمد لمحات ہوتے ہیں جو اپنی تہوں میں سارے دکھ، سارا کرب سمیٹ لیتے ہیں۔

اور اس دن بھی جب منوج نے نرملی کو آغوش میں لیا، تو وقت کے گزرتے ہوئے لمحات منجمد ہو گئے۔۔۔

(۲۱)

پورے دس سال بعد رما دلی آئی تھی۔ اور دس سال میں بڑے شہر کہیں سے کہیں بدل جاتے ہیں۔ اسوانی نے رما سے کہا تو تھا کہ چھتری والی کوٹھی جو کبھی شہر کے

سرے پر سمجھی جاتی تھی، اب چاروں طرف سے اونچی اونچی بلڈنگوں میں گھر چکی ہے۔ بس یہی ایک پرانی عمارت اپنے وسیع احاطے کے ساتھ جوں کی توں کھڑی ہے۔ خریدار اسے بھی ڈھا کر ایک بڑا کامپلکس بنانا چاہتا ہے۔ مگر پھر بھی جب ٹیکسی کوٹھی کے گیٹ کی ویرانی سے اندر مڑی تو رما کا دل بیٹھ سا گیا۔ چاروں طرف کھڑی ہوئی عمارتوں میں کوٹھی سکڑ کر ذرا سی رہ گئی تھی۔ پچھواڑے کا کھلا میدان اور اس پر کیکر کی جھاڑیوں کا سلسلہ جو پہاڑی تک چلا گیا تھا، اب ان کا نشان تک نہیں تھا۔

پورٹیکو کی سیڑھیوں پر بندو کھڑا تھا۔ اک دم بوڑھا ہوگیا تھا۔ کمر جھک گئی تھی۔ آگے بڑھ کر سلام کیا تو وفور جذبات سے ہاتھ کانپنے لگے۔ وہ پچھلے دور کے ان ملازموں میں تھا، جو ایک دفعہ ملازم ہوجائیں تو مر کر ہی مالک کا در چھوڑتے ہیں۔ اتنی دیر میں آوٹ ہاؤس سے نکل کر بندو کی بہو اپنے دونوں بچوں کے ساتھ آگئی۔ رما کا سامان اس کے کمرے میں رکھ دیا گیا۔ مگر رما دیر تک درمیانی ہال میں کھڑی رہی۔

کوٹھی کے خالی ہوجانے کے بعد بھی رما دو مرتبہ یہاں آچکی تھی۔۔۔ انہی بھائیں بھائیں کرتے خالی ہال اور کمروں میں،۔۔۔ اسی اداس خاموشی میں، جہاں کا ذرہ ذرہ اس کی زندگی کی ان مول یادوں سے بھرا تھا۔ مگر اس دفعہ ہال میں کھڑے کھڑے ایک لمحے کے لیے اسے وہاں کی فضا کچھ بدلی بدلی سی لگی۔ وہ پرانی شناسائی اور اپنائیت کی گرم جوشی نہ تھی۔ جیسے وہاں کے در و دیوار آنکھیں جھپکائے اسے پہچاننے کی کوشش کر رہے ہوں! ۔۔۔ جیسے وہ ان کی رازدارانہ سرگوشیوں کی بے تکلف محفل میں اچانک غیر کی طرح مخل ہوگئی ہو۔۔۔

"رما بیٹی۔ رک کیوں گئیں؟۔۔۔ چل کر منہ ہاتھ دھولو۔ بہو نے پانی گرم کر رکھا ہے۔"

رما نے چونک کر دیکھا۔ شفقت کی مٹھاس میں ڈوبی یہ آواز بندو کی تھی۔۔۔

اور آن واحد میں اس کا ذہن واہموں کی دل دل سے نکل آیا۔ نہیں۔ سب کچھ وہی ہے۔ کچھ بھی تو نہیں بدلا۔ یہ در و دیوار، یہ دریچے، یہ ستون۔۔۔ یہ مانوس فضا، کچھ بھی تو

نہیں بدلا۔ وہ اپنے کمرے میں چلی گئی جہاں بندو نے اس کے ٹھہرنے کا انتظام کر دیا تھا۔

رما کے آنے کی خبر پا کر بندو نے تمام کمروں کی صفائی کر دی تھی جو برسوں سے خالی پڑے تھے۔ کوٹھی کو فروخت کر دینے کا فیصلہ آنند نے اپنی زندگی میں ہی کر دیا تھا۔ اسوانی کی مدد سے سارا سامان بھی فروخت کروا دیا تھا۔ البتہ رما کے ڈیڈی کا کمرا جو بالا خانے پر تھا، جوں کا توں چھوڑ کر مقفل کر دیا تھا۔ رما جب بھی آتی، اس کمرے کو کھلوا کر تھوڑا وقت وہاں ضرور گزارتی۔ ڈیڈی کا بستر، ان کا وارڈ روب، ان کا بریف کیس اور سوٹ کیس، سب چیزیں اسی طرح محفوظ رکھی تھیں۔ جن کے لمس میں آج بھی رما کے لیے ڈیڈی کے پسینے کی مہک بسی ہوئی تھی۔

شادی کے بعد رما اور آنند چھتری والی کوٹھی میں تھوڑے ہی دن رہے۔ رما کے ڈیڈی کے ایک دوست جرمنی میں مقیم تھے۔ ان کے اثر سے آنند کو جرمنی میں ایک کمپیوٹر بنانے والی فرم میں بڑا اچھا آفر مل گیا۔ ٹریننگ بھی تھی اور جاب بھی۔ چار مہینے بعد ہی اس نے رما کو بھی بلا لیا۔ اکیلے نہ رہا گیا۔

ان دنوں یورپ میں تھیٹر کی دنیا نئے نئے ٹرینڈز سے روشناس ہو چکی تھی۔ جدید طرز کے ڈرامے لکھے اور کھیلے جا رہے تھے ان کی کشش بھی تھی جو رما پی ایچ۔ ڈی کا کام ادھورا چھوڑ چھاڑ جرمنی چلی گئی۔ مگر جرمنی میں آنند کا دل نہیں لگا۔ عجیب بے قرار طبیعت پائی تھی اس نے۔ ایک سال بھی پورا نہیں ہوا تھا کہ جرمنی سے انگلینڈ اور پھر چھ مہینے بعد سنگاپور چلا گیا۔ جہاں ڈیڑھ سال تک رہا۔ ہر مرتبہ اسے پہلے سے بہتر ملازمت ملی، تمام آسائشوں کے ساتھ۔ رما بھی ساتھ تھی۔ مگر ہر جگہ تھوڑے ہی عرصے میں اس کا دل اچاٹ ہو جاتا۔

ڈیڈی ریٹائر ہو کر دلی آ گئے تھے۔ ان سے ملنے رما ہر تیسرے چوتھے مہینے ضرور آ جاتی۔ کبھی آنند کے ساتھ بزنس ٹرپ پر، اور کبھی اکیلی ہی۔ منورما اور رنجنا کی شادیاں ہو گئی تھیں۔ اور دونوں امریکہ میں رہ رہی تھیں۔ کوٹھی میں ڈیڈی کے ساتھ بس موسی رہ گئی تھیں۔ انھیں بھی بیٹیاں امریکہ بلا رہی تھیں۔ رما اور آنند بھی سوچ رہے تھے کہ چند دنوں کے لیے ڈیڈی کو سنگاپور بلا لیں۔ مگر یکایک ڈیڈی چل بسے۔ اس جانکاہ صدمے کے

بعد دونوں دلی واپس چلے آئے۔ اور موسی امریکہ چلی گئیں۔

سنگاپور کے ایک دوست اسوانی نے آنند کو حیدرآباد چلے آنے کو لکھا، جہاں اس کے ساتھ وہ ایک فینانسنگ فرم شروع کرنا چاہتا تھا۔ رما اور آنند دلی چھوڑ کر حیدرآباد چلے آئے۔ اور یہیں کے ہو رہے۔

اجنبی سمندروں کے غیر مانوس پانیوں سے نکل کر زندگی کی ناؤ اب ایک پرسکون جھیل کی نرم لہروں میں بہہ رہی تھی۔ ہر قسم کی فراوانی تھی، پھر نیل کمل دنیا میں آئی تو جیسے اس کی برکت سے آنند کا بزنس اور وسیع ہوگیا۔ رما کا قلم ان دنوں پوری توانائی کے ساتھ رواں دواں تھا، دیس بدیس کے مشاہدوں اور تجربوں نے ذہن و فکر کو نئی آب و تاب سے ہم کنار کردیا تھا۔ اس کے ڈراموں اور کہانیوں سے ادب کو نئی جہتیں مل رہی تھیں۔ اور پھر ان ہی دنوں منوج نے بھی حیدرآباد کو اپنا ٹھکانہ بنالیا۔ کلکتے میں بیوی کی بے وفائی سے اس کا دل ٹوٹ گیا تھا۔ ملک کے بڑے بڑے اخباروں کے اونچے آفر اس کے پاس موجود تھے، مگر وہ اپنے ماما کے پاس حیدرآباد چلا آیا۔ ماما نے ہی اس کی پرورش کی تھی، اور اب وہ بوڑھے ہو چلے تھے۔۔۔ یوں بھی اب وہ اخباروں کی دنیا کی سیاسی بازی گری، شب و روز کی مصروفیتوں اور ذمہ داریوں کے تناؤ سے تھک چکا تھا۔ ماما کے ساتھ رہتے ہوئے منوج نے اپنا چھوٹا سا آفس کھول لیا، اور فری لانسنگ کرنے لگا۔ اس کے آرٹیکلس جرنلزم کی دنیا میں ہاتھوں ہاتھ لیے جاتے تھے۔

آنند اور رما سے ملاقات ہوئی تو پرانے مراسم اور استوار ہوگئے۔ آنند منوج کی خوبیوں کا گرویدہ دلی کے زمانے سے ہی تھا۔ اب اور بھی قربت بڑھ گئی۔ شہر کی قدیم سوسائٹی آف فائن آرٹس رما کے ڈراموں کو اسٹیج کرنے کا اہتمام کرتی اور منوج کے ریویوان کی شہرت دور دور تک پھیلا دیتے۔

آنند اور رما اب جوبلی ہلز پر اپنے نئے مکان میں رہنے لگے تھے جس کی تعمیر میں رما کے ذوق کو ملحوظ رکھا گیا تھا۔ اس کی آرائش اور زیبائش بھی رما نے اپنی پسند سے کی تھی۔ نیل کمل اب سیانی ہو چلی تھی۔ اس کا پبلک اسکول زیادہ دور نہیں تھا، پھر بھی اس نے

ضد کر کے اسکوٹر خریدلی تھی، موٹر کی بجائے اپنی اسکوٹر پر جانے میں اسے لطف آتا تھا۔

جس سال آنند کا پلین کریش ہوا، رما کا نام بھی ساہتیہ اکاڈمی ایوارڈ کے لیے پیش ہوا تھا، مگر انعام دھیرج گھوش کو اس کے ناول " رات کے مسافر" پر ملا۔

آنند کی موت پر سب ہی دم بہ خود رہ گئے۔ آنند اور رما کی محبت کی مثال دی جاتی تھی۔ مگر رما نے اس عظیم صدمے پر نہ کوئی صف ماتم بچھائی، نہ آنسو بہائے، نہ کسی سے ہم دردی کی طلب گار ہوئی۔ بس نیل کمل کو سینے سے لگائے سارے طوفان کو اپنی خاموشی کی چادر میں لپیٹ لیا۔۔۔ بس خاموشی۔ صرف خاموشی۔۔۔ اور دبے پاؤں پھیلتا سناٹا۔۔۔

(۲۲)

آرتی ان لوگوں میں نہیں تھی جو اپنی ہار مان کر چپ چاپ حالات سے سمجھوتا کر کے بیٹھ جائیں۔ اس کی ہر ہار انتقام اور حسد کی آگ پر تیل کا کام کرتی۔ اس رات جن حالات میں منوج اسے جذبات کے دہکتے انگاروں پر چھوڑ کر اس کے گھر سے چلا آیا تھا، آرتی نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اب رما اور منوج دونوں کی نیک نامی اور ایگو کو خاک میں ملائے بغیر اسے چین نصیب نہ ہوگا۔

سیمینار کے پہلے دن کے بعد سے رما کا کوئی پتہ نہیں تھا۔ اس کے گھر پر نظر رکھنے والی ملازمہ نے آرتی کو بتایا کہ پروفیسر راجن آیا تھا۔ باہر سے ہی لوٹ گیا۔

دوسرے دن سیمینار ختم ہوگیا تو منوج بھی غائب ہوگیا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ

اسوانی، منوج اور رما تینوں کہاں گئے ہوئے ہیں۔ آرتی کے ذہن کو کسی کروٹ چین نہیں تھا۔ طرح طرح کے امکانات کے تانے بانے جوڑ جوڑ کر واہموں کے جنتر منتر میں بھٹکتا پھر رہا تھا۔ جیسے کوئی پُر اسرار واقعہ ظہور پذیر ہوگیا ہے جس کی گتھیاں سلجھانے پر اس کے ہاتھ وہ بارودی مصالحہ لگ جائے گا جس سے وہ رما اور منوج کی جھوٹی شان کے پرخچے اڑا دے گی۔

تیسرے دن اسوانی کلکتے سے واپس آگیا تو آرتی کی تشویش اور بڑھ گئی۔

"کیا معلوم، منوج بھی واپس آگیا ہوگا، اپنے کسی کام سے گیا ہوگا کہیں ... تم نے تو خواہ مخواہ شکوں کے جال میں پھنسا رکھا ہے خود کو!" اندرانی نے آرتی سے کہا۔

"نہیں منوج واپس نہیں آیا ہے۔ میں خود گئی تھی اس کے آفس۔ بند پڑا ہے۔ گھر پر بھی نہیں ہے ... اندرانی دیوی، جال میں تو رما پھنسا کر رکھتی ہے مردوں کو، مکڑی کی طرح! ... آنند تو بے چارہ نہیں رہا ... منوج، پروفیسر راجن، اسواتی ... اور ..." وہ یکایک چپ ہوگئی۔

"اور کون؟ ..." اندرانی کے لہجے میں چبھن تھی۔

آرتی پھر بھی چپ رہی۔

"میں جانتی ہوں" اندرانی خود ہی بولی "لوگ دھیرج گھوش کا نام بھی لیتے ہیں۔ مگر میں اپنے شوہر کو بھی جانتی ہوں۔ وہ جال میں پھنسنے والا شکار نہیں، پھانسنے والا شکاری ہے ... اور یہ بات تم رما سے بھی کہہ دینا۔"

مگر آرتی کے زہر بھرے تیر نے اپنا کام کرلیا تھا۔ رما کا نام لیتے وقت اندرانی کے سانولے چہرے کا رنگ گدلا گیا تھا۔

(۲۳)

ناشتے کے بعد رما نے تھوڑا سا وقت کوٹھی کے ویران کمروں اور دالانوں میں گھوم کر گزارا۔ پھر پورٹیکو کی سیڑھیوں سے اتر کر اس حصے میں چلی گئی جہاں کبھی چمن ہوا کرتا تھا۔ پھولوں سے لدی کیاریاں اور لان تھا۔ اور بیڈمنٹن کا کورٹ تھا جہاں منورما اور رنجنا اور ان کی دوست کھیلا کرتی تھیں۔ کبھی وہ خود بھی شامل ہوجاتی تھی۔ اب اس میدان میں خود رو جھاڑیاں اور گھاس اگ آئی تھی۔ البتہ پیپل کا پرانا پیڑ ایک کونے میں اب بھی کھڑا تھا اور ایک لوہے کا پول، زنگ میں لپٹا، تنہا کھڑا اس جگہ کی نشان دہی کر رہا تھا جہاں کورٹ تھا۔ اور جس سے نٹ باندھا جاتا تھا۔

رما وہاں سے جلد ہی لوٹ آئی۔

اپنے پرانے کالج کو ایک بار جاکر دیکھنے کی تمنّا نے رما کے دل میں کئی بار چٹکیاں لی تھیں۔ مگر جانے کا موقع کبھی نہیں مل سکا تھا۔

کوٹھی سے نکل کر وہ سیدھی اپنے قدیم کالج چلی گئی۔

مگر وہاں جاکر اسے کوئی خوشی نہیں ہوئی۔ الٹا دل کو دھکا سا لگا۔ نئی نئی بلڈنگوں نے سارا منظر بدل ڈالا تھا۔ رما کے ذہن میں تو وہی پرانی تصویر بسی ہوئی تھی۔ انگریزی کے L کی شکل میں جڑی دو لمبی لمبی عمارتیں، ان کے دالانوں کے آگے کھیل کا میدان، جن کی سیڑھیوں پر بیٹھی وہ اپنی دوستوں کے ساتھ گھنٹوں گپ شپ کیا کرتی تھی۔ درختوں کے سائے میں کین ٹین تھا۔ مگر اب وہاں کسی چیز کا کوئی نشان باقی نہیں تھا۔ نئی اور اونچی عمارتوں نے سب کچھ ہڑپ کرلیا تھا۔

۔۔۔ ۔اجنبی ماحول ،اجنبی چہرے ، نا آشنا آوازیں ، ۔۔۔ ۔کوئی اشارا ، کوئی سہارا تک نہیں ۔جن کے بہانے کوئی یاد جی اٹھے ! ۔۔۔

رما کو وحشت ہونے لگی ۔

کناٹ پلیس پر آنند اور اسوانی کی فرم کا برانچ آفس تھا ۔ وہاں کا مینیجر آنند کے پرستاروں میں تھا ۔ رما کچھ دیر کے لیے وہاں چلی گئی ۔ دلی سے اس کی واپسی کے رزرویشن کا انتظام اسوانی نے اسی مینیجر کے ذمے کر دیا تھا ۔ رما آفس سے بھی جلد ہی اٹھ آئی ۔

باہر سڑک پر زندگی پورے جوش و خروش کے ساتھ رواں دواں تھی ۔ گاڑیوں کا شور ،لوگوں کی گہما گہمی ، ہر شخص کو اپنی دھن میں پاگلوں کی طرح قدم اٹھائے ہجوم میں کھو جانے کی جلدی ۔ جیسے پھر موقعہ ملے نہ ملے ۔

رما کی وحشت میں اضافہ ہونے لگا ۔ وہ بغیر کسی مقصد کے ایک طرف چلنے لگی ۔

اس نے سوچا تھا دلی پہنچ کر وہ شدید جذباتیت کا شکار ہو جائے گی ۔ چھتری والی کوٹھی اب اس کی نہیں رہے گی ۔ وہاں کے ذرے ذرے میں بسی یادوں سے کیا وہ ہمیشہ کے لیے اپنا دامن چھڑا سکے گی ؟ وہاں کے محراب و در کیا غیر ہو سکیں گے ؟

اسے ڈر سا لگ رہا تھا ، ۔۔۔ کیوں جا رہی ہے وہاں ؟ ۔۔۔ کیا جانا اتنا ضروری ہے ؟

مگر کچھ بھی نہیں ہوا ۔ نہ وہ ذہنی تناؤ میں مبتلا ہوئی ، نہ کسی محراب و در نے بڑھ کر اس کا استقبال کیا اور نہ ہی ان سے وابستہ کسی یاد نے اس کے قدم روکے ۔ ایک عجیب الجھن اور بدمزگی اس کے ذہن و دل میں جاگزیں ہوئی جا رہی تھی ۔۔۔ ایک لمحہ بھی اس کو چھو کر نہیں گذرا کہ جس کے لمس سے اس کے احساس کے آب گینوں پر ضرب پڑتی !

۔۔۔ بکواس ۔۔۔ سب بکواس ۔۔۔

یکایک اسے رضیہ نظر آ گئی ۔۔۔ ۔ اس کی کالج کی دوست ۔ کسی دکان سے لدی

پھندی نکل رہی تھی۔ پیچھے مختلف عمروں کے چار بچوں کی قطار تھی۔ رما کو دیکھتے ہی پکار اٹھی۔۔۔۔ "ارے رما؟"

اور دیوانہ وار بڑھ کر لپٹ گئی۔ فٹ پاتھ پر لوگ دونوں جانب رک کر انھیں دیکھنے لگے۔ رضیہ کے دونوں ہاتھوں میں شاپنگ سے بھرے ہوئے پلاسٹک بیگ اسی طرح لٹک رہے تھے۔ ذرا ہوش آیا تو جھینپ کر الگ ہو گئی۔

"یہاں کیا کر رہی ہو؟۔۔۔۔ دلی کب آئیں؟۔۔۔۔ اکیلی ہو؟ مجھے اطلاع کیوں نہیں کی؟"

ہمیشہ کی طرح ایک ہی سانس میں پوچھتی چلی گئی۔ اور جواب کا انتظار کیے بغیر رما کو کار کے پاس لے آئی۔

"کیسی ہو رضیہ؟" رما نے پوچھا۔

"اچھی ہوں۔ تم کیسی ہو؟"

"میں بھی اچھی ہوں۔۔۔۔"

اتنی دیر میں چاروں بچے رضیہ کے پاس آ کھڑے ہوئے تھے۔

"ان سے ملو، یہ تمھاری آنٹی ہیں۔۔۔۔ ٹلّو۔۔۔۔ منّو۔۔۔۔ سمّی اور سرّو۔۔۔ ان کے پورے نام ہیں۔ شوکت، رفعت۔۔۔۔"

رما نے جلدی سے روک دیا۔ "نہیں۔ وہی نام اچھے ہیں۔" اور پیار سے بچوں کے سروں پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

"اچھا، سنو رما۔ مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔ تم چاہے کہیں بھی ٹھہری ہو، اور کسی بھی کام سے آئی ہو، میرے ساتھ چلو، ابھی، اسی وقت۔۔۔۔ لنچ کا وقت بھی ہو رہا ہے۔ گھر چل کر ہی باتیں کریں گے۔"

"نہیں رضیہ۔ میں آج ہی آئی ہوں۔۔۔۔ اس وقت، آج۔۔۔۔ مجھے اکیلا چھوڑ دو۔۔۔۔"

رضیہ کچھ کہتے کہتے رک کر رما کو دیکھنے لگی۔

"سب ٹھیک ہے رضیہ۔۔۔ بہت دن بعد آئی ہوں نا؟" رما نے مسکرا کر کہا۔

"میں سمجھ سکتی ہوں۔

مجھے معلوم ہے رما۔۔۔" رضیہ کی آواز سنجیدہ ہو گئی تھی۔ رما نے گردن اٹھا کر دیکھا تو بولی۔۔۔ ۔"اخبار میں خبر کے ساتھ فوٹو بھی آیا تھا۔۔۔ ۔"

چند سکنڈ کے لیے دونوں خاموش ہو گئے۔

"کہاں ٹھہری ہو؟" رضیہ بولی۔

"کوٹھی میں۔۔۔ ۔"

"میں نے سنا تھا وہ بک گئی؟"

"ابھی نہیں بکی۔"

"اچھا سنو۔ شام کو میں تمھیں لینے کوٹھی آؤں گی۔ رات کو دیر تک میرے ساتھ رہنا۔۔۔ ۔ کھانے سے پہلے اور بعد،۔۔۔ ۔ڈھیر ساری باتیں کریں گے۔"

"آج ہی۔۔۔ ۔؟"

"ہاں۔ آج ہی۔ کل کون جانے۔۔۔ پھر کھو نہ جائیں ہم کہیں دنیا کی بھیڑ میں!"

(۲۴)

آرتی پروفیسر راجن کے لیے اجنبی نہیں تھی۔ اس لیے جب وہ اس سے کالج میں ملنے آئی تو کسی تعارف کی ضرورت نہیں پڑی۔ پروفیسر کتابیں ہاتھ میں اٹھائے کلاس کو جانے کی تیاری میں کھڑا تھا۔

"پروفیسر صاحب۔ میں بس ایک منٹ سے زیادہ نہیں لوں گی۔" آرتی بولی۔

"او، نو۔ یو آر ویلکم مس آرتی۔۔۔۔" پروفیسر کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔۔۔
"ابھی چار پانچ منٹ باقی ہیں کلاس کے لیے۔"

آرتی کو جب بھی کوئی مس آرتی کہتا، اسے بڑی خوشی محسوس ہوتی تھی۔
"میں بس ایک بات پوچھنے آئی تھی۔۔۔ آپ کو معلوم ہے رما دیوی کہاں گئی ہیں؟"

پروفیسر راجن نے چونک کر آرتی کی آنکھوں میں دیکھا۔ مگر وہاں اسے کوئی سراغ نہیں ملا، یہ سوال اس نے کیوں کیا تھا؟

"نہیں۔۔۔" پروفیسر نے جواب دیا "آپ کو معلوم ہے؟"
"نہیں۔ میں نے سوچا، جب آپ ان کے گھر ملنے گئے تھے، تو شائد کسی نے کچھ بتایا ہوگا، وہ کہاں گئی ہیں۔"

پروفیسر پھر ایک بار چونک پڑا۔۔۔ اسے کیسے معلوم کہ میں رما سے ملنے گیا تھا؟ مگر وہ بولا کچھ نہیں۔ ساری باتیں آرتی ہی کر رہی تھی۔۔۔

"معاف کیجیے پروفیسر صاحب۔۔۔ میں نے ڈسٹرب کیا آپ کو۔ دراصل مجھے ایک کام آپڑا تھا، رما سے۔ مگر وہ گھر پر نہیں ہیں۔۔۔۔ مسٹر منوج سے پوچھتی، مگر وہ بھی نہیں ہیں۔۔۔"

"نہیں ہیں، کیا مطلب؟۔۔۔ منوج بھی گئے ہوئے ہیں کہیں؟"۔۔۔

پروفیسر کے چہرے پر ہر لحہ بڑھتے ہوئے تجسس کو دیکھ کر آرتی کو بڑی خوشی ہورہی تھی۔ بڑے بھولپن سے بولی۔۔۔ "جی ہاں۔۔۔۔ تقریباً اسی روز سے۔"

پروفیسر کو اپنے خیالوں میں غلطاں و پیچاں چھوڑ کر آرتی وہاں سے جلد ہی چل دی۔۔۔

۔۔۔ ۔اجنبی ماحول، اجنبی چہرے، نا آشنا آوازیں۔ ۔۔۔ کوئی اشارا، کوئی سہارا تک نہیں، جن کے بہانے کوئی یاد جی اٹھے! ۔۔۔

رما کو وحشت ہونے لگی۔

کناٹ پلیس پر آنند اور اسوانی کی فرم کا برانچ آفس تھا۔ وہاں کا مینیجر آنند کے پرستاروں میں تھا۔ رما کچھ دیر کے لیے وہاں چلی گئی۔ دلی سے اس کی واپسی کے رزرویشن کا انتظام اسوانی نے اسی مینیجر کے ذمے کر دیا تھا۔ رما آفس سے بھی جلد ہی اٹھ آئی۔

باہر سڑک پر زندگی پورے جوش و خروش کے ساتھ رواں دواں تھی۔ گاڑیوں کا شور، لوگوں کی گہما گہمی، ہر شخص کو اپنی دھن میں پاگلوں کی طرح قدم اٹھاتے ہجوم میں کھو جانے کی جلدی۔ جیسے پھر موقعہ ملے نہ ملے۔

رما کی وحشت میں اضافہ ہونے لگا۔ وہ بغیر کسی مقصد کے ایک طرف چلنے لگی۔

اس نے سوچا تھا دلی پہنچ کر وہ شدید جذباتیت کا شکار ہوجائے گی۔ چھتری والی کوٹھی اب اس کی نہیں رہے گی۔ وہاں کے ذرے ذرے میں بسی یادوں سے کیا وہ ہمیشہ کے لیے اپنا دامن چھڑا سکے گی؟ وہاں کے محراب و در کیا غیر ہو سکیں گے؟

اسے ڈر سا لگ رہا تھا، ۔۔۔ کیوں جارہی ہے وہاں؟ ۔۔۔ کیا جانا اتنا ضروری ہے؟

مگر کچھ بھی نہیں ہوا۔ نہ وہ ذہنی تناؤ میں مبتلا ہوئی، نہ کسی محراب و در نے بڑھ کر اس کا استقبال کیا اور نہ ہی ان سے وابستہ کسی یاد نے اس کے قدم روکے۔ ایک عجیب الجھن اور بدمزگی اس کے ذہن و دل میں جاگزیں ہوئی جارہی تھی ۔۔۔ ایک لمحہ بھی اس کو چھو کر نہیں گذرا کہ جس کے لمس سے اس کے احساس کے آب گینوں پر ضرب پڑتی!

۔۔۔ ۔ بکواس ۔۔۔ ۔ سب بکواس ۔۔۔ ۔

یکایک اسے رضیہ نظر آگئی ۔۔۔ ۔ اس کی کالج کی دوست۔ کسی دکان سے لدی

پھندی نکل رہی تھی ۔ پیچھے مختلف عمروں کے چار بچوں کی قطار تھی ۔ رما کو دیکھتے ہی پکار اٹھی ۔۔۔ ۔ "ارے رما ؟"

اور دیوانہ وار بڑھ کر لپٹ گئی ۔ فٹ پاتھ پر لوگ دونوں جانب رک کر انھیں دیکھنے لگے ۔ رضیہ کے دونوں ہاتھوں میں شاپنگ سے بھرے ہوئے پلاسٹک بیگ اسی طرح لٹک رہے تھے ۔ ذرا ہوش آیا تو جھینپ کر الگ ہو گئی ۔

"یہاں کیا کر رہی ہو ؟ ۔۔۔ ۔ دلی کب آئیں ؟ ۔۔۔ ۔ اکیلی ہو ؟ مجھے اطلاع کیوں نہیں کی ؟"

ہمیشہ کی طرح ایک ہی سانس میں پوچھتی چلی گئی ۔ اور جواب کا انتظار کیے بغیر رما کو کار کے پاس لے آئی ۔

"کیسی ہو رضیہ ؟" رما نے پوچھا ۔

"اچھی ہوں ۔ تم کیسی ہو ؟"

"میں بھی اچھی ہوں ۔۔۔ ۔"

اتنی دیر میں چاروں بچے رضیہ کے پاس آ کھڑے ہوئے تھے ۔

"ان سے ملو ، یہ تمھاری آنٹی ہیں ۔۔۔ ۔ ٹلّو ۔۔۔ ۔ منّو ۔۔۔ ۔ سمّی اور سرّو ۔۔۔ ۔ ان کے پورے نام ہیں ۔ شوکت ، رفعت ۔۔۔ ۔"

رما نے جلدی سے روک دیا ۔ "نہیں ۔ وہی نام اچھے ہیں ۔" اور پیار سے بچوں کے سروں پر ہاتھ پھیرنے لگی ۔

"اچھا ، سنو رما ۔ مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں ۔ تم چاہے کہیں بھی ٹھہری ہو ، اور کسی بھی کام سے آئی ہو ، میرے ساتھ چلو ، ابھی ، اسی وقت ۔۔۔ ۔ لنچ کا وقت بھی ہو رہا ہے ۔ گھر چل کر ہی باتیں کریں گے ۔"

"نہیں رضیہ ۔ میں آج ہی آئی ہوں ۔۔۔ ۔ اس وقت ، آج ۔۔۔ ۔ مجھے اکیلا چھوڑ دو ۔۔۔ ۔"

رضیہ کچھ کہتے کہتے رک کر رما کو دیکھنے لگی ۔

" سب ٹھیک ہے رضیہ ... بہت دن بعد آئی ہوں نا ؟ " رما نے مسکرا کر کہا۔

" میں سمجھ سکتی ہوں۔

مجھے معلوم ہے رما ... " رضیہ کی آواز سنجیدہ ہو گئی تھی۔ رما نے گردن اٹھا کر دیکھا تو بولی ... " اخبار میں خبر کے ساتھ فوٹو بھی آیا تھا ... "

چند سکنڈ کے لیے دونوں خاموش ہو گئے۔

" کہاں ٹھہری ہو ؟ " رضیہ بولی۔

" کوٹھی میں ... "

" میں نے سنا تھا وہ بک گئی ؟ "

" ابھی نہیں بکی۔ "

" اچھا سنو۔ شام کو میں تمھیں لینے کوٹھی آؤں گی۔ رات کو دیر تک میرے ساتھ رہنا ... کھانے سے پہلے اور بعد ... ڈھیر ساری باتیں کریں گے۔ "

" آج ہی ... ؟ "

" ہاں۔ آج ہی۔ کل کون جانے ... پھر کھو نہ جائیں ہم کہیں دنیا کی بھیڑ میں ! "

(۲۴)

آرتی پروفیسر راجن کے لیے اجنبی نہیں تھی۔ اس لیے جب وہ اس سے کالج میں ملنے آئی تو کسی تعارف کی ضرورت نہیں پڑی۔ پروفیسر کتابیں ہاتھ میں اٹھائے کلاس کو جانے کی تیاری میں کھڑا تھا۔

" پروفیسر صاحب۔ میں بس ایک منٹ سے زیادہ نہیں لوں گی۔ " آرتی بولی۔

"او، نو۔ یو آر ویلکم مس آرتی۔۔۔۔" پروفیسر کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔۔۔
"ابھی چار پانچ منٹ باقی ہیں کلاس کے لیے۔"

آرتی کو جب بھی کوئی مس آرتی کہتا، اسے بڑی خوشی محسوس ہوتی تھی۔

"میں بس ایک بات پوچھنے آئی تھی۔۔۔ آپ کو معلوم ہے رما دیوی کہاں گئی ہیں؟"

پروفیسر راجن نے چونک کر آرتی کی آنکھوں میں دیکھا۔ مگر وہاں اسے کوئی سراغ نہیں ملا، یہ سوال اس نے کیوں کیا تھا؟

"نہیں۔۔۔" پروفیسر نے جواب دیا "آپ کو معلوم ہے؟"

"نہیں۔ میں نے سوچا، جب آپ ان کے گھر ملنے گئے تھے، تو شائد کسی نے کچھ بتایا ہوگا، وہ کہاں گئی ہیں۔"

پروفیسر پھر ایک بار چونک پڑا۔۔۔ اسے کیسے معلوم کہ میں رما سے ملنے گیا تھا؟ مگر وہ بولا کچھ نہیں۔ ساری باتیں آرتی ہی کر رہی تھی۔۔۔۔

"معاف کیجیے پروفیسر صاحب۔۔۔۔ میں نے ڈسٹرب کیا آپ کو۔ دراصل مجھے ایک کام آپڑا تھا، رما سے۔ مگر وہ گھر پر نہیں ہیں۔۔۔۔ مسٹر منوج سے پوچھتی، مگر وہ بھی نہیں ہیں۔۔۔۔"

"نہیں ہیں، کیا مطلب؟۔۔۔ منوج بھی گئے ہوئے ہیں کہیں؟"۔۔۔۔

پروفیسر کے چہرے پر ہر لحہ بڑھتے ہوئے تجسس کو دیکھ کر آرتی کو بڑی خوشی ہو رہی تھی۔ بڑے بھولپن سے بولی۔۔۔ "جی ہاں۔۔۔۔ تقریباً اسی روز سے۔"

پروفیسر کو اپنے خیالوں میں غلطاں و پیچاں چھوڑ کر آرتی وہاں سے جلد ہی چل دی۔۔۔۔

(۲۵)

رما کہہ گئی تھی دوپہر کا کھانا کوٹھی میں ہی کھائے گی۔ بندو کی بہو نے بندو سے پوچھ کر اس کی پسند کی چیزیں تیار کر رکھی تھیں۔ کھانا کھانے کے بعد رما کو شدید تھکن کا احساس ہونے لگا۔ بستر پر لیٹتے ہی آنکھ لگ گئی۔

جب اٹھی تو دن ڈھل چکا تھا۔ چائے پی کر پھر ایک بار ٹہلتی ہوئی کوٹھی کے پائیں باغ والے حصے میں چلی گئی جو شام کے بڑھتے ہوئے اندھیرے میں اور بھی اداس اور ویران لگ رہا تھا۔ مگر بیڈ منٹن کے کورٹ والا وہ تنہا پول اس مرتبہ خاموش تماشائی بنا نہیں کھڑا رہا۔

اس نے رما کے ذہن میں بیسیوں یادوں کی ہل چل سی مچادی۔۔۔۔ ان دنوں کی، جب کورٹ پر روز شام کو کھیل ہوتا تھا۔ منورما اور رنجنا کی دو ایک دوست بھی آجاتی تھیں اور کبھی آنٹی بھی رما کی پارٹنر بن جاتی تھیں۔۔۔۔ ایسے میں آنند آجاتا تو سب کو خوب چھیڑ چھیڑ کر مذاق اڑاتا۔۔۔ سب سے زیادہ مذاق خود رما کا اڑاتا اور سب سے کم منورما کا۔ اس کی ان ہی باتوں سے آنٹی دل ہی دل میں خوش تھیں کہ جب وقت آئے گا تو آنند اور منورما کی شادی میں کوئی دقت نہیں ہوگی۔

جس دن آنند اور رما بارش میں شرابور ہوکر اپنی موٹر سائیکل سمیت بیل گاڑی میں کوٹھی واپس آئے تھے، اس کے چند دن بعد کی ایک شام رما کی نظروں میں پھر گئی۔

اس دن منورما اور رنجنا کی کئی دوست کھیلنے آگئی تھیں۔ اچھی خاصی رونق سی ہورہی تھی۔ اکثر دنوں کی طرح رما اسں روز بھی دیر سے آئی تھی۔ اور لان پر بیٹھی سب

کا کھیل دیکھ رہی تھی۔

کھیل ختم ہوا تو سب لڑکیاں آکر رما کے پاس لان پر پڑ گئیں۔ ایک لڑکی نے رما سے پوچھا۔۔۔۔ "رما۔ تم کیوں نہیں کھیلیں؟"

رما کے کچھ کہنے سے پہلے ہی منورما بول پڑی۔۔۔۔ "وہ آج کل کھیلتی نہیں، کھلاتی ہے۔۔۔ لوگوں کو، اسٹیج پر!۔۔۔۔ زندگی کے کھیل۔"

"کیا مطلب؟" لڑکی نے پوچھا۔

"ڈراما رائٹر اور ڈائرکٹر بنی ہوئی ہے نا؟۔۔۔۔ لوگ اس کے اشاروں پر ناچتے ہیں۔۔۔ سوانگ بھرتے ہیں۔" منورما کے لہجے میں مذاق سے زیادہ طنز بھرا تھا۔

اسی لمحے آنند کہیں سے آٹپکا۔

گلے میں کوئی قیمتی سا کیمرا لٹک رہا تھا۔ آتے ہی کیمرے کو سب پر فوکس کرتے ہوئے بولا۔۔۔ "پلیز، ڈونٹ موو۔۔۔" اور پھر کلک کی آواز کے ساتھ۔۔۔ "تھینک یو۔"

"مگر فوٹو گرافر کب سے بن گئے، آنند؟" منورما نے چہک کر پوچھا۔

"جب سے تم جیسی حسیناؤں کا ساتھ ہوا ہے۔" آنند نے فوراً جواب دیا۔

رما الگ بیٹھی تھی۔ وہ جانتی تھی وہ کیمرے کی فیلڈ میں نہیں ہے۔ آنند اپنی دھن میں کہے جارہا تھا۔۔۔

"تم لوگ چاہو تو اپنی الگ الگ تصویر بھی کھچوا سکتے ہو۔۔۔۔ کلر میں۔۔۔ جس پوز میں چاہو۔" لڑکیاں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔۔۔ "گھبراؤ نہیں۔۔۔ میں کچھ چارج نہیں کروں گا۔۔۔ بتاؤ کون کون تیار ہے؟"

منورما فوراً تیار ہو گئی۔ آنند نے اس کی کئی تصویریں لیں، مختلف پوزوں میں۔ ان میں کئی عجیب اور مضحکہ خیز بھی تھے۔ پھر اس کی ایک دوست آگے آگئی۔ وہ بیڈمنٹن کے ریکٹ کے ساتھ تصویر کھچوانا چاہتی تھی۔ آنند نے تصویر میں ریکٹ کو اس کے چہرے کے سامنے رکھا۔ عجیب بدنما پوز تھا۔ پھر رنجنا آئی اور پھر ایک اور لڑکی۔۔۔ ۔۔ کلک، کلک۔۔۔

مگر آنند نے ایک دفعہ بھی رما سے نہیں کہا۔ نہ وہ اٹھ کر آئی اسے تصویروں کا ایسا شوق بھی نہیں تھا مگر آنند کی اس حرکت پر اسے غصہ آرہا تھا۔ اس نے سب کے سامنے اس کی توہین کی تھی، خاص طور پر منورما کے سامنے!

اور پھر "تھینک یو، سوی ٹیز۔۔۔۔" کہہ کر اور کیمرا گلے میں لٹکا کر وہ وہاں سے چل دیا۔

رما جہاں کی تہاں بیٹھی رہی۔۔۔۔

رات کو کھانے کی میز پر رما نہیں آئی تو آنٹی نے بندو سے کہا۔۔۔۔ "جا کر رما کو بلا لاؤ۔ کھنا کھانا شروع ہو گیا ہے۔"

مگر بندو وہیں کھڑا رہا۔۔۔۔ "رما بی بی نے کہا ہے، وہ نہیں کھائیں گی۔ سر میں درد ہے۔"

منورما نے جھک کر آنند کے کان میں کہا۔۔۔۔ "خفا ہے، تم پر۔ اس کی تصویر کیوں نہیں لی۔"

جب رات کو آنند نے دبے پاؤں رما کے کمرے میں قدم رکھا، تو کوٹھی میں سب جگہ خاموشی ہو چکی تھی۔ رما کے کمرے میں ہلکی نیلگوں روشنی ہو رہی تھی اور رما کھڑکی کے پاس بیٹھی باہر دیکھ رہی تھی جہاں ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اندر آکر آنند نے دروازہ بند کیا تو آہٹ پر رما چونک پڑی۔۔۔۔

"کون ہے؟"۔۔۔۔ اور جلدی سے ٹیبل لیمپ روشن کر دیا۔

"ششش۔۔۔۔ میں ہوں۔۔۔۔ شور مت مچاؤ۔" انگلی سے چپ رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے آنند بولا۔

"کیوں آئے ہو؟، اس وقت۔۔۔۔ اتنی رات کو؟" رما بے حد سنجیدہ ہو رہی تھی۔

"ارے۔۔۔۔ آہستہ بولو۔۔۔۔" کہتے ہوئے آنند پاس آکر کرسی پر بیٹھ گیا اور جیب سے ایک چھوٹا سا پیکٹ نکال کر کھولنے لگا۔۔۔۔ "سینڈوچس ہیں۔۔۔۔ تم نے آج کچھ کھایا نہیں ہے نا؟"

"لے جاؤ انھیں۔۔۔" رما غصے سے بولی۔۔۔ "اور نہیں کھایا ہے تو تمھیں کیا؟"

"بڑی مشکل سے چھپا کے لایا ہوں۔" آنند سینڈوچس نکالتے ہوئے بولا، جیسے رما کے غصے کا نوٹس ہی نہیں لیا ہو۔

"کس نے کہا تھا تم سے لانے کو؟"

"باورچی کو رشوت دینی پڑی۔۔۔۔"

تنگ آکر رما بولی "۔۔۔۔آنند۔ چلے جاؤ یہاں سے۔"

"کیوں چلا جاؤں؟۔۔۔۔ جانتی ہو کتنی مشکل سے آیا ہوں؟"

"۔۔۔۔آنند۔ کیوں ستا رہے ہو اتنا؟۔۔۔۔ کیا چاہتے ہو؟"

"بس اب مان جاؤ۔۔۔۔ اور یہ کھا لو۔۔۔۔ اس کے سوا کچھ نہیں چاہتا۔"

"میں نہیں کھا سکتی۔"

"تو میں نہیں جاؤں گا۔"

دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔۔۔۔ آنند اک دم ہنس پڑا "۔۔۔۔اری باولی۔ وہ کیمرا خالی تھا۔" رما کا تعجب دیکھ کر آنند کو اور ہنسی آنے لگی۔ "ہاں۔ خالی۔ ان لوڈڈ!۔۔۔۔ میں تو مذاق کر رہا تھا۔"

"مذاق؟"۔۔۔۔

"ہاں۔۔۔ تصویر کھچواتے وقت، تم نے دیکھا نہیں، ہر آدمی بچہ بن جاتا ہے؟۔۔۔۔ میں تو دیکھ رہا تھا، کون کتنا بے وقوف بنتا ہے!"

"مگر تمھارا ہر مذاق کچوکوں سے بھرا کیوں ہوتا ہے، آنند؟۔۔۔ جانتے ہو منورما کیا کہہ رہی تھی؟۔۔۔۔ آنند نے شائد رما کو تصویر کے لائق نہیں سمجھا۔"

"بے وقوف۔" آنند کے منہ سے نکلا۔

"کون ہے، بے وقوف؟"

"دونوں۔ منورما بھی اور۔۔۔ میں بھی۔ وہ کیا جانے وہ جس کی بات کر رہی ہے اس کا حسن کیمرے کے فلم میں تو سما بھی نہیں سکتا!۔۔۔۔ اس کی تصویر تو سب کی میں

نے دل میں اتار رکھی ہے۔۔۔۔ جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی۔ اور میں بےوقوف یہ بھول گیا کہ عورت چاہے کتنی ہی انٹلکچوئل ہو، عورت ہی رہتی ہے۔"

رما چند لمحے چپ چاپ آنند کو دیکھتی رہی۔ ہلکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آنے لگی تھی، جسے روکتے ہوئے بولی۔۔۔

"تم اچھی طرح جانتے ہو، تم بے وقوف نہیں ہو۔ البتہ دوسروں کو بےوقوف بنانا خوب جانتے ہو۔"

"میں نے تمھیں کبھی بےوقوف نہیں بنایا، رما۔۔۔ بس یہ سینڈوچ لایا تھا تمھارے لیے۔۔۔ وہ بھی چوری چھپے۔"

"یہ بھی سوچ ہے، اگر یہ بات کھل گئی تو کتنی کھل بلی مچ جائے گی کوٹھی میں؟۔۔۔ آنٹی نے تمھیں منورما کے لیے چن رکھا ہے۔۔۔۔"

اور اسی لمحے کمرے کے باہر سے کسی کے قدموں کی آوازیں آنے لگیں، جو قریب ہوتی جارہی تھیں۔ آنند ہڑبڑا کر کھڑا ہوگیا۔ اور آؤ دیکھا نہ تاؤ، سیدھا کھڑکی میں سے باہر لٹک کر نیچے کود گیا۔ رما روکتی رہ گئی۔

آنند تھا ہی ایسا۔

(۲۶)

رضیہ کی کار کے ہارن نے رما کی یادوں کی محفل کو درہم برہم کردیا۔

شام ڈھل چکی تھی۔ مگر اس دھندلکے میں رضیہ نے رما کو دور سے دیکھ لیا تھا۔ کار سے اتر کر سیدھی پہنچ گئی۔۔۔ "چلو رما۔۔۔۔ میں آگئی ہوں۔۔۔ یہاں اندھیرے میں

کیوں بیٹھی ہو؟"

رضیہ پرانی دلی کے محلہ بلی ماران میں رہتی تھی۔ پرانی وضع کا شان دار گھر تھا۔ جدید اور قدیم دونوں طرح کے فرنیچر سے آراستہ دیوان خانہ۔ چاروں طرف دالان جن میں شاہ جہانی محرابیں اور در۔ اوپر چوبارا اور ہال۔ اندر کمروں میں چاندنیاں، جازمیں، اور گاؤ تکیے۔ درمیانی کمرے میں آتش دان۔ کارنس پر چینی اور مراد آبادی وضع کے زیبائشی برتن۔

۔۔۔ گھر میں چار بچوں کی موجودگی کے باوجود ہر چیز قرینے سے رکھی ہوئی۔ رما نے رضیہ کی تعریف کی تو پھولی نہیں سمائی ۔۔۔ کہنے لگی۔

"تعریف کی حق دار تو ہماری ساس ہیں ۔۔۔ جنھوں نے اس گھر کو سلیقے سے بسایا، سجایا۔ اب وہ نہیں رہیں۔ یہ ذمہ داری میں سنبھال رہی ہوں ۔۔۔ منیر کے پاس پیسے کی کمی نہیں، میرے پاس وقت کی کمی نہیں ۔۔۔ منیر سے تم نہیں ملیں۔ آگرے گئے ہوئے ہیں ۔۔۔ بزنس کے سلسلے میں۔ کسی وجہ سے دیر ہوگئی، ورنہ اب تک واپس آجاتے۔"

"یہ منیر وہی ہیں نا رضیہ، جن سے شادی کے لیے تو کتراتی تھی؟ کہتی تھی، بڑے سیدھے ہیں، ۔۔۔ بچوں کی طرح فرماں بردار ۔۔۔ بالکل ۔۔۔۔"

"چوڑی کے غلام۔" رضیہ نے جلدی سے جملہ مکمل کردیا۔

"ہاں۔ چوڑی کے غلام کی طرح۔" اور دونوں کھل کھلا کر ہنسنے لگیں۔ جیسے کالج کے زمانے میں ہنستی تھیں۔

رضیہ نے اپنے بچوں کے بارے میں بتایا، کون کالج میں ہے، اور کون کون اسکولوں میں۔ ان کی ذہانتوں کے قصے سنائے۔ سب سے چھوٹی بچی سے انگلش رہائمس اور پوئمس سنوائیں۔ آخر میں بولی ۔۔۔

"اچھا رما۔ یہ تو ہوا۔ کھانے میں ابھی وقت پڑا ہے۔ تم نے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا ۔۔۔۔ ہماری پچھلی ملاقات اس وقت ہوئی تھی جب آنند زندہ تھے۔

ہے ڈیڈی کے انتقال کو چند ہی مہینے گذرے تھے۔ اس کے بعد تم لوگ حیدرآباد چلے گئے۔ اور بس۔"

مگر پھر خود ہی اک دم سنجیدہ ہو کر چپ ہو گئی۔ سوچنے لگی یہ بات نہیں پوچھنی چاہیے تھی۔ آنند کا ذکر رما کے زخموں کو تازہ کردے گا۔ مگر رما اسی طرح پر سکون رہی۔ بڑے مختصر انداز میں اپنی آگے کی کہانی سنادی۔ آخر میں بولی۔

"رضیہ۔ لوگ ہم دردی کا اظہار کرتے تھے تو مجھے الجھن سی ہوتی تھی۔ کیا کوئی کسی کا دکھ بانٹ سکتا ہے؟۔۔۔ اور میرا دکھ تو ایک امانت ہے، اس پر کیف زندگی کی جو آنند کے ساتھ گذری۔ حقیقی مسرتوں سے بھرپور زندگی۔۔۔ جو کسی کسی کو ملتی ہے! میں اب بھی خوش ہوں، رضیہ، خوش اور مطمئن۔"

کچھ دیر رما چپ رہی۔ پھر بولی۔ "۔۔۔ اب کچھ دنوں میں نیل کمل بھی امریکہ سے آرہی ہے، اپنے منگیتر کے ساتھ۔ میں اسے پسند کرلوں تو شادی بھی ہو جائے گی۔۔۔"

رضیہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اسی وقت بچی نے آکر اعلان کردیا کہ۔۔۔ "ابو آگئے۔"

منیر کو رما نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ بڑے تپاک سے ملا۔ کہنے لگا۔۔۔ "رضیہ سے آپ کے بارے میں سنتا رہا ہوں۔ بڑی تعریفیں کرتی ہے آپ کی۔"

"دوست جو ہوئی۔" رما نے جواب دیا۔۔۔ "ویسے تعریفیں تو آپ کی بھی کرتی رہی ہے، رضیہ۔۔۔"

رضیہ نے گھبرا کر رما کو دیکھا۔ مگر بات آگے نہ بڑھی۔ منیر اسی میں خوش تھا کہ رضیہ نے اس کی تعریفیں کی تھیں۔ رما کے جملے میں چھپی ہوئی شرارت اس کے پلے ہی نہیں پڑی۔۔۔ جب چلا گیا تو رضیہ بولی۔۔۔ "کاٹھ کا الو۔۔۔ میں نے کہا تھا نا؟"

کھانا سب نے ساتھ کھایا۔ منیر اپنے کاروبار کا حال سناتا رہا۔ جو روز افزوں ترقی پر تھا۔ چمڑے کی ٹے تنگ کا ایک نیا کارخانہ قائم کیا تھا، جسے کسی دن ساتھ چل کر دیکھنے کی دعوت بھی رما کو دے دی۔

کھانے کے بعد رضیہ اور رما الگ بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ رضیہ نے اپنی باتیں

سنائیں۔ شادی کے چند دن بعد ہی ماں اور باپ دونوں آگے پیچھے چل بسے۔ چھوٹی بہن کی شادی ہو چکی تھی۔ وہ شوہر کے ساتھ دوبائی میں ہے۔

"اور وہ تمھارا بھائی۔۔۔ ناصر، جو تم سے بے حد پیار کرتا تھا، وہ کہاں ہے؟"

جواب دینے کی بجائے رضیہ یکایک چپ ہو گئی۔ رما تعجب سے دیکھنے لگی۔

"کیا بات ہے، رضیہ؟"

رضیہ پھر بھی کچھ نہیں بولی تو رما کو تشویش ہونے لگی۔۔۔ "بتاؤ رضیہ۔۔۔ کیا ہوا ناصر کو؟"

"کچھ نہیں ہوا اسے۔ وہ اچھی طرح ہے۔۔۔" بالآخر رضیہ بولی۔ "مگر رما، تم اس کے لیے اتنی بے چین کیوں ہو گئیں؟"

"تم جانتی ہو رضیہ۔۔۔ وہ مجھے ہمیشہ اچھا لگا۔۔۔ خاموش، سنجیدہ۔۔۔ اور ذہین۔ تمھارے لیے جب بھی کالج آتا، مجھ سے ملے بنا نہیں جاتا تھا۔"

"وہ میرے لیے نہیں، تمھارے لیے آتا تھا، رما۔" رضیہ اک دم رما کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

"میرے لیے آتا تھا؟۔۔۔"

"ہاں۔ تمھارے لیے۔۔۔ وہ تمھیں دل و جان سے چاہنے لگا تھا۔"

"کیا کہہ رہی ہو، رضیہ؟" رما حق دق اسے دیکھنے لگی۔

"یہ بات بس میں جانتی ہوں، رما۔ اس نے خود کبھی کہا نہیں کسی سے۔۔۔ بس خاموش پرستش کرتا رہا تمھاری،۔۔۔ تمھاری ذہانت کی،۔۔۔ تمھارے ٹیلنٹ کی۔۔۔ تم اس کی آئیڈیل بن گئی تھیں رما۔"

رما گم سم بیٹھی تھی۔ جیسے رضیہ کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو۔

"مگر اس نے کہا کیوں نہیں مجھ سے؟۔۔۔ میں اسے سمجھاتی۔ چھوٹا تھا مجھ سے!"

"شائد اسی لیے کبھی اس کی ہمت نہیں ہوئی۔ اور کہتا بھی تو تم کیا کر لیتیں؟۔۔۔ کیا اس کا ہاتھ تھام لیتیں؟"

رضیہ یک لخت رک گئی۔ مگر پھر فوراً ہی بولی "۔۔۔ نہیں رما۔ وہ جانتا تھا، آسمان کو چھوا نہیں جاسکتا۔ مگر دل پر کسے قابو ہے؟ ۔۔۔ اسے پتہ بھی نہیں چلا، اور وہ تمھارے سحر میں ہوش گنوا بیٹھا۔۔۔ اس میں تمھارا کوئی قصور نہیں تھا، ۔۔۔ قصور اس کا بھی نہیں تھا۔"

رما چپ چاپ، کھوئی کھوئی نظروں سے رضیہ کو دیکھتی رہی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے رضیہ کی آواز کہیں دور سے آرہی ہے اور وہ کسی غیر مانوس زبان میں بات کررہی ہے۔۔۔۔

"آنند سے تمھاری شادی ہوگئی۔۔ مگر اس کی حالت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ نہ آہیں بھریں، نہ گریباں چاک کیا۔ تمھیں مسرور دیکھ کر وہ بھی مسرور رہتا۔ شائد تمھیں یاد ہو شادی کے بعد بھی، وہ ہر تیسرے چوتھے دن کسی نہ کسی بہانے کالج آکر تمھیں ایک نظر ضرور دیکھ جاتا تھا۔۔۔ کئی بار تم نے اسے روک بھی لیا۔ باتیں بھی کیں ۔۔۔ ان دنوں وہ انجنیرنگ کر رہا تھا۔ دوسرے سال میں تھا۔"

"پھر کیا ہوا۔۔۔؟" رضیہ رکنے لگی تو رما نے آہستہ سے پوچھا۔ اب اس کی آنکھوں میں بے چینی جھلک رہی تھی۔

"پھر تم جرمنی یا امریکہ چلی گئیں۔۔۔ اور ناصر کی زندگی میں انقلاب آگیا۔ کالج چھوڑ دیا۔ گھر سے اکثر باہر رہنے لگا۔ دوستوں سے ملنا جلنا پہلے ہی کم ہوگیا تھا۔ جب میں نے پوچھا تو کہنے لگا پڑھنے لکھنے سے جی اچاٹ ہوگیا ہے۔

اس کا زیادہ وقت بنّے شاہ کے تکیے میں گزرتا تھا۔ عجیب بے سروپا باتیں کرتا ۔۔۔۔، وہ بھی صرف مجھ سے۔ ورنہ ہر وقت خاموش رہتا، کھویا کھویا سا! ۔۔۔ نہ کھانے کی فکر، نہ کپڑوں کا خیال۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر اباّ جی نے اس کی شادی کردینی چاہی، مگر وہ گھر چھوڑ کر چلا گیا۔ کسی کو نہیں بتایا کہاں جارہا ہے۔ مجھے بھی نہیں۔"

رما بت بنی سن رہی تھی۔ رضیہ پھر رک گئی تو بولی۔۔۔۔

"ستاتی جاؤ رضیہ۔۔۔ پھر کیا ہوا؟"

"اس کے بعد کچھ نہیں ہے سنانے کو۔ کوششوں کے باوجود کچھ پتہ نہ چلا وہ کہاں ہے، کس حال میں ہے۔ کبھی سننے میں آتا وہ راجستھان میں کسی صوفی بزرگ کے یہاں ہے۔ کبھی کوئی کہتا، وہ مانک گڑھ کے جنگل میں کسی سنت مہاراج کے آشرم میں نظر آیا۔ ایک دو دفعہ اباجی اس کے لیے گئے بھی، مگر سب غلط نکلا۔ وہ پھر کبھی گھر نہیں آیا۔"

رما ایک ٹک رضیہ کو تک رہی تھی۔

دفعتاً اسے لگا جیسے اس کی نظروں کے سامنے رضیہ نہیں ہے، خلا کی ایک بے کراں وسعت ہے، جو اس کی طرف بڑھتی آرہی ہے۔ اور ابھی کچھ دیر میں خلا کا سمندر اس کے احساس اور شعور کو بھی دبوچ لے گا۔ فنا کردے گا۔ وہ چونک پڑی جیسے کوئی خواب میں خوف زدہ ہو کر چونک پڑتا ہے۔

"میں جانتی تھی تم یہ سب جان کر بے چین ہو جاؤ گی۔ اسی لیے کبھی ذکر نہیں کیا۔" رضیہ بولی۔

"کیا کبھی اس نے تمھیں کوئی خط بھی لکھا؟"۔۔۔۔ رما نے پوچھا۔

"آیا تھا ایک خط۔ کوئی ایک سال پہلے۔"

"کہاں سے؟"

"اڑیسہ میں کوئی جگہ تھی۔ اور جانتی ہو وہ خط آیا کس پتے پر؟ چھتری والی کوٹھی کے پتے پر۔"

رما نے چونک کر دیکھا تو کہنے لگی۔۔۔ "ناصر نے لکھا تھا، سوائے اس پتے کے مجھے دلی میں کوئی اور پتہ یاد نہیں آرہا ہے۔ امید ہے خط تم تک پہنچ جائے گا۔۔۔ وہ خط بندو نے لاکر مجھے دیا۔"

"اور کیا لکھا تھا؟"

رضیہ چپ ہو گئی۔ دیر تک سوچتی رہی کہ سنائے یا نہ سنائے۔ بالآخر بولی۔

"بڑے بے ربط سے جملے تھے۔ پھر بھی مجھے یاد ہیں۔۔۔ میں جان گیا ہوں مجھے

کا ہے کی تلاش تھی۔۔۔ احساس کی وہ منزل جہاں دکھ اور سکھ میں کوئی فرق نہ رہے۔ جیسے شام کا دھندلکا، جس میں نہ دن ہوتا ہے اور نہ رات۔۔۔

نجات اسی میں ہے کہ دکھ کی کوکھ سے سُکھ جنم لے۔۔۔ مجھے نجات کا راستہ نظر آ گیا ہے۔۔۔ اور مجھے وہاں جانا ہے۔۔۔ راہبوں کے اس گروہ کے ساتھ۔

کل ہم یہاں نہیں رہیں گے۔۔۔ کہاں ہوں گے، یہ بھی نہیں معلوم۔۔۔ میں بہت کم زور ہو گیا ہوں۔۔۔ مگر رک نہیں سکتا۔ کیا معلوم پہنچ ہی جاؤں۔۔۔"

(۲۷)

اس رات رما کو پل بھر بھی نیند نہ آسکی۔ ساری رات آنکھوں میں کٹ گئی۔

ناصر کا بھولا بھالا معصوم سا چہرہ نظروں میں پھرتا رہا جسے وہ تقریباً بھول گئی تھی۔۔۔ ناصر، وہ ذہین اور سنجیدہ لڑکا، جو ابھی عنفوانِ شباب کی منزلوں سے گزر رہا تھا، اس کے عشق میں ہوش و حواس کھو بیٹھے گا، وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ جتنا سوچتی اس کا اضطراب بڑھتا جاتا۔ ایک اذیت ناک احساس اس کے شعور میں اترا جا رہا تھا کہ وہ بے قصور ہوتے ہوئے بھی قصور وار ہے، مجرم ہے۔ وہ اعتماد، وہ بھروسہ، جو اسے اپنی فہم اور ادراک پر تھا، پارہ پارہ ہوا جا رہا تھا۔۔۔

وہ ڈیڈی کے کمرے میں چلی گئی، مگر وہاں بھی قرار نہیں ملا۔۔۔ کوٹھی کے ہر گوشے سے ایک آواز تھی جو رہ رہ کر اس سے کہہ رہی تھی۔۔۔ تو ہے ذمے دار! تو دیکھتی رہی، اور ناصر تباہی کے راستے پر بڑھتا چلا گیا۔۔۔ اس خارزار کی طرف جہاں صرف دکھ اگتا ہے۔۔۔ اور ساری راہیں معدوم ہو جاتی ہیں۔

خدایا یہ کیسا عذاب ہے ! یہ کیسی سزا ہے، ناکردہ گناہوں کی ! ۔۔۔ اس کا جی کرتا وہ بچوں کی طرح چیخ کر پوچھے۔

صبح ہوئی تو رما کا جسم بخار سے تپ رہا تھا۔ جوڑوں میں درد ہو رہا تھا۔ بندو نے گھبرا کر ڈاکٹر کو بلانا چاہا۔ مگر رما نے منع کر دیا۔ ایک عجیب جذبہ اس کے دل و دماغ پر مسلط ہوتا چلا گیا۔ ایک عجیب خواہش ۔۔۔ ان اذیتوں کو کم نہ ہونے دینے کی، جن میں اس کارواں رواں اس وقت مبتلا تھا۔ جیسے وہ خود کو ایذا پہنچا کر اپنے آپ سے انتقام لے رہی ہے، اپنی بھیانک بھول کا ! ۔۔۔ رہنے دو درد کے ان نشتروں کو اسی طرح جسم و جاں پیوست ! ۔۔۔

بخار کی شدت بڑھی تو بندو کی پریشانی اور بڑھ گئی، مگر رما نے پھر بھی ڈاکٹر کو بلانے سے منع کر دیا ۔۔۔ ہذیانی کیفیت میں جانے کیا زبان سے نکلتا رہا ۔۔۔ بڑھنے دو اسں دکھ اور درد کو ۔۔۔ یہی تو اصل ہے ! ۔۔۔ دکھ، ۔۔۔ صرف دکھ ۔ اور سکھ اسی کی کوکھ سے جنم لیتا ہے ۔۔۔ اور جب دکھ اور سکھ میں فرق نہ رہے، تو ۔۔۔ وہی ہے نجات کی منزل ۔۔۔۔

وہ دن اور رات رما نے تیز بخار میں گذار دیا ۔۔۔

دوسرے دن بندو نے گھبرا کر رضیہ کو بلالیا۔ مگر اس کے آنے تک رما کی حالت قدرے بہتر ہو گئی تھی۔ رضیہ آئی تو اسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔ رما ہاتھ میں قلم تھامے کرسی پر بیٹھی کچھ لکھے جا رہی تھی۔ رضیہ کو دیکھا تو رک گئی۔ پھر ذرا سے پس و پیش کے بعد میز پر سے کاغذوں کو ایسے اٹھانے لگی جیسے پھاڑ دینا چاہتی ہو۔ رضیہ نے ہاتھ بڑھا کر روک دیا۔

"نہیں رما۔ پھاڑو مت ۔۔۔ رہنے دو اپنے پاسں۔ میں جانتی ہوں تم کیا لکھ رہی ہو گی۔"

رما رک گئی۔ چپ چاپ کاغذوں کو دیکھنے لگی۔

رضیہ بولی ۔۔۔ " ناصر کی بات سنا کر میں نے بڑی بھول کی۔"

"میں اس سے ایک بار ملنا چاہتی ہوں رضیہ۔ ورنہ سب ادھورا رہ جائے گا۔"
"جب بھی کوئی خبر ملے، میں تمھیں اطلاع کردوں گی۔"
رضیہ نے رما کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے ۔۔۔ "تم نے کسی ڈاکٹر کو کیوں نہیں بلایا؟ ۔۔۔ یا مجھے فوراً اطلاع کیوں نہیں کروائی؟ ۔۔۔ اتنے تیز بخار میں تپتی پڑی رہیں! ۔۔۔ کیا ملا تمھیں؟"
"کچھ نہیں۔ کہیں رگ وپے میں سلگتی آنچ سے احساس کی شاخ بھی جلی ہے۔"

(۲۸)

تین دن ہوگئے تھے۔ نہ رما کا پتہ تھا اور نہ منوج کا۔ آرتی اپنی آگ میں بل کھاتی، ہر جگہ جاکر، دونوں کے اس طرح غائب ہوجانے کو اسکینڈل کا روپ دیتی پھری۔ لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں۔ ایسی باتوں میں کسے دل چسپی نہیں ہوتی ہے! آرتی کا بس چلتا تو اخباروں میں چھپوا دیتی۔
"تمھارے دماغ میں شک کا کیڑا گھس گیا ہے ۔۔۔ اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔" ۔۔۔ دھیرج گھوش آرتی سے بولا۔ اندرانی بگڑ کر اپنے شوہر کی طرف دیکھنے لگی ۔۔۔
آرتی بولی ۔۔۔ "مگر اب مجھے شک نہیں، یقین ہوچلا ہے۔ آپ خود جلدی ہی دیکھ لیں گے کہ ۔۔۔"
بیچ میں اندرانی بول پڑی "چپ ہو جاؤ آرتی ۔۔۔ ان سے کہنا بےکار ہے ۔۔۔ تم نہیں جانتیں رما کے خلاف کچھ نہ سننے والوں میں مسٹر گھوش بھی ہیں!"
چوتھے دن صبح کو منوج آفس آیا تو لی نا نے بتایا کہ وہ گزشتہ روز بھی آفس آئی تھی اور آرتی نے دوبار فون پر پوچھا تھا کہ تمھارے باس کہاں گئے ہیں؟ ۔۔۔ واپس

آئے یا نہیں اب تک ؟ ۔ ۔ ۔

منوج اپنی ڈاک دیکھنے میں مصروف رہا جو ان دنوں جمع ہو گئی تھی۔

" اب آپ کی طبیعت کیسی ہے ، سر ؟ " لی نا نے پوچھا۔

" اچھی ہے ۔ ۔ ۔ کیوں ؟ ایسے کیوں پوچھ رہی ہو ؟ " منوج اس کی طرف دیکھنے لگا۔

" کچھ نہیں سر ۔ ۔ ۔ ایسے ہی ۔ ۔ ۔ ۔ "

" تم کہو ۔ کیا کرتی رہیں ان چھٹیوں میں ؟ " ۔ ۔ ۔ منوج درمیان میں بول پڑا ۔ ۔ ۔ " شفٹ ہو گئیں اپنے نئے گھر میں ؟ "

" جی ہاں ۔ " لی نا نے جواب دیا ۔ ۔ ۔ " اب آپ کب آئیں گے ہمارا نیا گھر دیکھنے ؟ ۔ ۔ ۔ آپ نے وعدہ کیا تھا ۔ "

" ہاں ۔ ضرور آؤں گا ۔ ۔ ۔ تمھاری ممی سے بھی ملوں گا ۔ ۔ ۔ تمھارے لزلی کا کیا حال ہے ؟ "

" ٹھیک ہے ۔ ۔ ۔ اس ویک اینڈ پر آئے گا پونا سے ۔ " لی نا نے مسکرا کر کہا۔

یکایک ٹیلی فون کی گھنٹی نے باتوں کا سلسلہ توڑ دیا۔

فون اسوانی کا تھا ۔ کہنے لگا۔

" اچھا ہوا آپ مل گئے ۔ ۔ ۔ میں نے سنا تھا کہیں باہر گئے ہوئے تھے ؟ "

" گیا تو تھا ۔ ۔ ۔ آج ہی لوٹا ہوں ۔ "

" یہاں لوگوں کو بڑی فکر ہو رہی تھی ، آپ کی ۔ "

" مجھے معلوم ہے ۔ "

" آپ آرتی کو ڈانٹ کیوں نہیں دیتے ؟ ۔ ۔ ۔ آپ میڈیا کے آدمی ہیں ۔ "

" اسوانی صاحب ۔ ان باتوں کی نہ کوئی اہمیت ہے اور نہ ان کے لیے میرے پاس وقت ہے ۔ آپ کیوں پرواہ کرتے ہیں ؟ ۔ ۔ ۔ خود رما دیوی نے ایسی باتوں کی کبھی پرواہ نہیں کی ۔ ۔ ۔ چھوڑیئے اسے ۔ ۔ ۔ رما دیوی کا کیا حال ہے ؟ کب واپس آ رہی ہیں ؟ "

اسوانی نے جواب دیا ۔ ۔ ۔ " یہی بتانے فون کیا تھا آپ کو ۔ دلی میں ان کی

طبیعت خراب ہو گئی تھی۔"

منوج دفعتاً سنجیدہ ہو گیا۔۔۔ "کیا ہو گیا تھا ؟"

"ٹھیک سے نہیں معلوم۔۔۔۔ ہمارے دلی والے مینیجر نے اتنا ہی بتایا کہ بیمار ہو گئی تھیں۔ اب ٹھیک ہیں۔۔۔ کل صبح واپس آرہی ہیں۔"

منوج نے فون واپس رکھ دیا تو لی نا اس کے سنجیدہ چہرے کو دیکھنے لگی۔

"کیا ہوا سر ؟۔۔۔ کیا رما دیوی کی طبیعت۔۔۔" وہ رک گئی۔

"اب ٹھیک ہے۔ کل صبح واپس آرہی ہیں۔" منوج نے ہمیشہ کی طرح دھیمے لہجے میں جواب دیا۔ چند سکنڈ دونوں خاموش رہے۔

"کل صبح۔۔۔ آپ ، ایرپورٹ جائیں گے۔۔ ؟"

یک بارگی لی نا پوچھ بیٹھی تو منوج نے اس کی طرف گھور کر دیکھا۔

"آنند کے حادثے کے بعد رما پلین میں سفر نہیں کرتیں۔"

لی نا اپنے خول میں واپس چلی گئی۔

(۲۹)

سکندر آباد کے اسٹیشن پر اسوانی اور منوج دونوں کو کھڑا دیکھ کر رما کے چہرے پر ایک خفت آمیز مسکراہٹ آگئی۔۔۔۔ "کچھ نہیں ہوا تھا مجھے۔ ٹھیک ہوں بالکل۔۔۔ پتہ نہیں اس مینیجر نے کیا کہہ دیا آپ سے !۔۔۔ بس ذرا سا ٹمپریچر آگیا تھا۔" وہ کہنے لگی۔

"ذرا سا ٹمپریچر اتنا کم زور نہیں کر دیتا، جتنی آپ نظر آرہی ہیں۔" اسوانی بولا۔

اس کے بعد رما کی علالت کی کوئی بات نہیں ہوئی۔

اسٹیشن آتے ہوئے اسوانی نے منوج کو پک کرلیا تھا۔ اسی کی کار میں تینوں واپس ہوئے۔ راستے میں زیادہ تر خاموش ہی رہے۔ باتیں ہوئیں بھی تو بس سرسری اور رسمی۔۔۔ دلی کا موسم کیسا رہا؟۔۔۔ کسی سے ملاقات ہوئی؟۔۔۔ ٹرین کے سفر میں آرام رہا؟۔۔۔ ایک دفعہ یکایک منوج پوچھ بیٹھا،۔۔۔ "چھتری والی کوٹھی سے مل آئیں؟ ۔۔۔ میرا مطلب ہے۔۔۔"

مگر پھر اس بے موقع سوال کے بھونڈے پن پر خود ہی فوراً چپ ہوگیا رما نے بھی کوئی جواب نہیں دیا۔

رما کے گھر پر منوج اور اسوانی زیادہ دیر نہیں ٹھہرے۔ اسے آرام کا مشورہ دے کر لوٹ گئے۔

ان کے جانے کے بعد رما نے میز پر سے نیل کمل کا خط کھول کر پڑھا، جو اس کے غیاب میں امریکہ سے آیا دھرا تھا۔ بہت مختصر سا خط تھا۔ بس یہ کہ پندرہ دن بعد وہ حیدرآباد میں ہوگی۔ ماں کے دل میں خوشی کی ہلور سی اٹھی۔ رما کو خوش ہوئے عرصہ ہوچکا تھا۔

آرتی کو اپنی خبر رساں ایجنسی کے ذریعے فوراً خبر مل گئی کہ رما واپس آگئی ہے۔ اور اس نے ان تمام لوگوں کو اطلاع کردی جنھیں اس خبر سے دل چسپی ہوسکتی تھی۔۔۔

شام کو پروفیسر راجن کا فون آگیا۔ کہنے لگا وہ ملنے کو بے چین ہے۔ کوئی ضروری بات کہنی ہے۔ کب آئے ملنے؟۔۔۔ رما نے اس کو آنے سے منع کرتے ہوئے کہا، وہ خود کالج آکر مل لے گی۔

تھوڑی دیر بعد اندرانی گھوش کا فون آیا۔۔۔ کیسی ہو؟ کب آئیں؟۔۔۔ کہاں چلی گئیں تھیں؟ اور آخر میں "اکیلی گئی تھیں؟"

"میں اکیلی کبھی نہیں رہتی مسز گھوش۔" اور رما نے کھٹ سے فون رکھ دیا۔

اندرانی کو لگا جیسے رما نے اس کے منھ پر طمانچہ مار دیا ہو۔ کھسیانی ہوکر آرتی کی طرف دیکھا جو بڑے انہماک سے رما سے اس کی گفتگو سن رہی تھی۔۔۔

"کہتی ہے میں اکیلی کبھی نہیں رہتی۔" اندرانی غصّے میں بھری ہوئی بولی۔

دلی سے چلتے وقت رضیہ کے لاکھ سمجھانے پر بھی رما کے دل کا بوجھ کم نہیں ہوا تھا۔ سارے راستے ناصر کا خیال پھانس کی طرح اس کے ذہن میں رڑکتا رہا۔۔۔ ماضی کے کہرے سے نکل کر اس کا معصوم سا چہرہ نظروں میں پھر جاتا۔ اور وہ بے کل ہو اٹھتی کہ اس سے اتنی بڑی بھول کیسے ہو گئی جو وہ ان جھکی جھکی نگاہوں اور پھولی ہوئی سانسوں میں الجھ کر بے ربط ہو جانے والی گفتگو کے پیچھے چھپے ہوئے اضطراب کو نہ جان سکی!۔۔۔ اسے تو بڑا زعم تھا، لوگوں کے ذہنوں کو ذرا سی دیر میں کتاب کی طرح پڑھ لینے کا! وہ لاکھ اس سے چھوٹا تھا، مگر لڑکپن کا وہی دور تو ہوتا ہے بے بھروسہ!۔۔۔۔

اور پھر ایک عجیب موہوم سے خوف کا احساس اس کے شعور میں پھیلنے لگا۔
ایک سرد لہر دبے پاؤں اس کے اعصاب میں تیر گئی۔۔۔
رما سہم گئی۔۔۔ نہیں، نہیں۔۔۔ ابھی وقت ہے۔۔۔ بس کاش وہ مل جائے ایک دفعہ۔۔۔

شام کی چائے کے ساتھ اسپرو کی دو ٹکیاں کھا کر رما اپنی کار میں گھر سے نکل گئی۔ جوبلی ہلز کی پہاڑیوں پر بے مقصد گھومتی پھری۔ پھر آگے کھلے میدانوں میں دور تک چلی گئی۔ جب لوٹی تو سورج غروب ہو چکا تھا۔ مگر اتنا ضرور ہوا کہ کھلی اور تازہ ہوا کے جھونکوں میں رما کے سر کا بھاری پن کم ہو چلا تھا۔
گھر پہنچی تو سیڑھیوں پر منوج کو کھڑا پایا۔
"عجیب بات ہے۔۔۔ تھوڑی دیر پہلے میں آپ کو فون کرتے کرتے رک گئی، اچھا ہوا آپ آگئے۔"

"میں تو یوں ہی چلا آیا تھا۔ اور اب واپس جا رہا تھا۔" منوج بولا "اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"
"اچھی ہے۔۔۔ چلیئے۔ اندر بیٹھ کر باتیں کریں گے۔"

رما نے ڈرائنگ روم کو جس قرینے اور نفاست کے ساتھ آنند کی زندگی میں آراستہ کیا تھا، اب بھی ویسا ہی برقرار رکھا تھا۔ اور اب یہ بات کئی خواتین کی نظروں میں کھٹکتی بھی تھی۔ مگر رما نے اس کی پرواہ نہیں کی۔ منوج جانتا تھا، موت آنند کو رما سے کبھی جدا نہ کرسکے گی۔

خادمہ سے کافی لانے کے لیے کہہ کر رما منوج سے مخاطب ہوئی۔۔۔

"منوج صاحب۔ نیل کمل کا خط آیا ہے۔ وہ پندرہ دن بعد امریکہ سے آجائے گی۔"

"اور وہ۔۔۔ اس کا منگیتر؟"

"دونوں ساتھ آرہے ہیں۔ شادی کی اجازت کے لیے۔ آپ کو بتایا تھا نا میں نے؟"

"بڑی اچھی خبر ہے۔" منوج کہنے لگا۔۔۔ "رما دیوی۔ نیل کمل بڑی اچھی لڑکی ہے، مجھے یقین ہے اس کا انتخاب آپ کو بھی پسند آئے گا۔"

اس کے بعد ذرا سی دیر کے لیے دونوں خاموش ہوگئے۔ یک بارگی رما بولی۔۔۔۔

"منوج صاحب! آپ نے اب تک یہ نہیں پوچھا کہ دلی میں مجھ پر کیا بیتی؟۔۔۔ حالاں کہ یہی جاننے کے لیے آپ آئے تھے اور یہی سنانے کے لیے میں آپ کو بلانے والی تھی۔"

منوج نے اب بھی کچھ نہیں کہا۔ چپ چاپ رما کو دیکھتا رہا۔ جس کے ہونٹوں پر ایک بہت خفیف اور پھیکی، بے مقصد مسکراہٹ نمودار ہونے لگی تھی۔۔۔

"آپ نے سوچا ہوگا، چھتری والی کوٹھی کا آخری دیدار مجھے بے قرار کردے گا۔ یادوں کا طوفان امنڈ کر مجھے درد کے سمندر میں بہا لے جائے گا۔۔۔ مگر ایسا نہیں ہوا! شاید اس لیے کہ میں اس دیدار کے لیے ذہنی طور پر تیار تھی۔

مگر منوج صاحب۔۔۔ دلی میں جس ذہنی حادثے نے مجھے دکھ اور درد کے سمندر میں دھکیل دیا، اس کے لیے میں قطعی تیار نہیں تھی۔ اور اس حادثے کا تعلق چھتری والی کوٹھی سے نہیں، ایک ایسی ہستی سے ہے، جس کے وجود کا احساس بھی میری یادوں کے

انبار میں کہیں نہیں تھا! ۔۔۔

دبیز اندھیاروں سے نکل کر ایک نو عمر لڑکے کا شرمیلا سا چہرہ یک لخت میری نظروں میں آکر بس گیا ہے ۔۔۔ ایسے کہ دم بھر کو بھی اوجھل نہیں ہوتا! ایک نشتر بن کر میرے احساس کی تہوں میں اترا جارہا ہے اور جس کے درد کی ہر کسک مجھ سے کہتی ہے ۔۔۔ تو ہے خطاوار ۔۔۔ تیری ہی وجہ سے اس کی زندگی ایک مسلسل عذاب بن کر رہ گئی ہے! تو ہے خطاوار! ۔۔۔"

اک دم رما نے منوج کو دیکھا جو حیرت میں ڈوبا، خالی خالی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ جیسے سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو وہ کیا کہہ رہی ہے! ۔۔۔

اور پھر رما کو اپنی بے وقوفی کا احساس ہوا ۔۔۔ "منوج صاحب۔ وہ چہرہ ناصر کا تھا، ۔۔۔ رضیہ کے چھوٹے بھائی ناصر کا۔ رضیہ کالج میں میرے ساتھ تھی، اور میری قریبی دوست۔ ناصر ان دنوں بی۔ اے۔ میں آگیا تھا، اور اکثر اپنی بہن سے ملنے ہمارے کالج آجاتا تھا۔۔۔

اب پتہ چلا کہ وہ دراصل میرے لیے آتا تھا! ۔۔۔

آپ کو یاد ہوگا ان دنوں افسانوں اور ڈراموں کی دنیا میں میں بھی ایک اچھی خاصی Celebrity بنتی جارہی تھی۔ ناصر میرا مداح تھا۔

پھر وہ دھیرے دھیرے میرا پرستار بن گیا ۔۔۔ اور مجھے کبھی اس کا پتہ نہیں چلا۔ ہاں منوج صاحب! وہ اپنی خاموشی میں لپٹا، الہڑ عمر کی اس والہانہ محبت کے سحر میں گرفتار ہوگیا جو آدمی کے سوچنے سمجھنے کی ساری قوتوں کو مفلوج کردیتا ہے ۔۔۔، وہ بے بس ہوکر رہ جاتا ہے۔

ناصر کا بھی وہی حشر ہوا اور میں اس سحر سے اس کو آزاد کرانے میں اس کی کوئی مدد نہیں کرسکی! ۔۔۔"

آخری جملہ رما نے ایسے کہا جیسے وہ خود کو سنا رہی ہو۔ وہ چپ ہوگئی۔ منوج اسی طرح بت بنا خاموشی میں سن رہا تھا۔ اور پھر رما آہستہ آہستہ ناصر کی خاموش محبت کی

نرالی داستاں منوج کو سنانے لگی، جو اس نے رضیہ سے سنی تھی۔۔۔
عجیب محبت تھی وہ بھی!۔ جس میں چاہنے والا منتہا کو پالینے کا تصور بھی کبھی نہیں کرسکتا اور جو دبے پاؤں پرستش میں تبدیل ہوتی چلی گئی۔۔۔ جیسے کوئی بھگت دیوی دیوتاؤں کو چاہتا ہے۔۔۔ ان کے عشق میں دنیا کو تیاگ کر دکھوں کو اپنا لیتا ہے۔
رما نے بتایا کہ جب وہ جرمنی چلی گئی تو ناصر بھی گھر چھوڑ کر چلا گیا اور اپنے درد پنہاں سے نجات کی تلاش میں در بہ در پھرتا رہا۔۔۔۔
"وہ میری آنکھوں کے سامنے، میری ہی وجہ سے، اس خطرناک راستے پر آگے بڑھتا گیا اور مجھے خبر بھی نہیں ہوئی۔۔۔۔!"
رما ذرا دیر کے لیے رکی تو منوج نے اتنی دیر بعد کچھ کہنا چاہا۔ مگر رما نے کہنے نہیں دیا۔۔۔
"نہیں منوج صاحب۔ میں بے قصور نہیں ہوں۔ میں اپنے کو معاف نہیں کرسکتی۔ معلوم نہیں وہ آج کل کہاں ہے!۔۔۔ کس اذیت میں جی رہا ہے!۔۔۔۔ جی بھی رہا ہے یا۔۔۔۔؟"
رما یک لخت چپ ہوگئی۔ منوج نے بھی کچھ کہنے کی کوشش نہیں کی۔
خاموشی میں کمرے کی فضاء ایک بوجھل سل کی طرح اعصاب پر سوار ہونے لگی۔ رما نے چونک کر دیکھا، تپائی پر کافی رکھے رکھے ٹھنڈی ہوئی جارہی تھی۔ دونوں نے ایک ایک پیالی اٹھالی۔۔۔
"اس رات میں صبح تک سو نہ سکی۔۔۔ ہر لمحہ بے چینی بڑھتی ہی گئی۔ اٹھ کر آدھی رات کو ڈیڈی کے کمرے میں بھی گئی۔ مگر وہاں بھی سکون نہیں ملا۔۔۔ اور پھر عجیب بات ہوئی۔ ذہن کے نہاں خانوں سے نکل کر کسی نے چپکے سے میرے ہاتھ میں قلم تھما دیا۔۔ اور میں لکھتی گئی۔۔۔ لکھتی چلی گئی، صبح تک۔۔۔۔"
منوج نے چونک کر رما کی طرف دیکھا۔ ذرا سی کافی چھلک کر طشتری میں گر گئی۔
"اور صبح ہوئی تو سارا جسم بخار میں پھنک رہا تھا، جوڑ جوڑ میں اتنا شدید درد تھا

(۳۰)

اگلے دو دن رما نے شاپنگ میں صرف کیے۔

نیل کمل کی شادی کے لیے کپڑے خریدے۔ زیورات کے آرڈر دیے اور کئی چھوٹے موٹے کاموں میں اپنے آپ کو مصروف رکھا۔ چوتھی صبح اسوانی سے ملنے اس کے آفس چلی گئی۔ نیل کمل کی شادی کے تعلق سے ہونے والے اخراجات اور دوسرے انتظامات کے بارے میں باتیں کرنی تھیں۔۔۔۔

"رما دیوی! آپ نے آنے کی تکلیف کیوں کی؟۔۔۔ مجھے اطلاع کر دیتیں۔ میں خود آجاتا آپ سے ملنے۔۔۔!" اسوانی بولا۔

"نہیں اسوانی صاحب۔۔۔ میں آج کل زیادہ تر گھر سے باہر ہی پھر رہی ہوں۔ مصروف رکھتی ہوں اپنے آپ کو اسی لیے خود چلی آئی۔۔۔ اس کے علاوہ آپ سے ایک درخواست بھی کرنی تھی۔۔۔"

اور پھر اسوانی کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی بولی۔۔۔ "چھتری والی کوٹھی کی جگہ کامپلکس کے بننے تک سال دو سال تو لگ ہی جائیں گے۔۔۔ بس اتنا کیجیے کہ کوٹھی کے پرانے ملازم بندو کو اس عرصے میں وہیں رہنے دیا جائے۔۔۔ کسی کونے، کھدرے میں۔"

"اچھی بات ہے۔ مگر آپ اسے یہاں حیدرآباد کیوں نہیں بلا لیتیں؟۔۔ آپ کا نوکروں کا پرابلم بھی سالو ہوجائے گا!"

"بلالوں گی،۔۔۔ مگر ابھی نہیں۔"۔۔۔ اسوانی تعجب سے دیکھنے لگا تو بولی۔۔۔

"ہوسکتا ہے، وہاں کے پتے پر ایک خط آئے۔ اور جب آئے تو بندو وہاں ہو۔"

کہ کروٹ بھی لینا مشکل ہو گیا تھا۔ مگر۔۔۔ عجیب بات ہے، میرا جی کر رہا تھا، میں اسی درد میں تڑپتی رہوں، میری تکلیف کبھی کم نہ ہو!۔۔۔"

اور اس کے بعد وہ رک گئی۔ دیر سے باتیں کیے جا رہی تھی، تھک کر بے حال سی ہو گئی۔

"آپ نے اس رات جتنا کچھ لکھا۔۔۔ اس کا کیا ہوا؟" رکتے رکتے منوج نے پوچھا۔

رما کچھ دیر اسی طرح خاموش بیٹھی رہی۔ پھر دھیمی آواز میں بولی۔۔۔

"کئی دفعہ خیال آیا کہ اسے پھاڑ کر پھینک دوں۔۔۔ ایک بوجھ بن گیا ہے ذہن پر!۔۔۔ کیوں کہ اب میں آگے نہیں لکھ سکتی۔۔۔"

"اسے ضائع مت کر دیجیے، رما دیوی۔ یہی بڑی بات ہے کہ اتنے دن بعد آپ نے کچھ لکھا۔" منوج نے کہا۔ "مگر ایسا کیوں سوچتی ہیں کہ آگے نہیں لکھ سکیں گی؟"

"منوج صاحب۔۔۔ اس رات ان جانے میں جو کچھ لکھ گئی، وہ ایک ناول کی شروعات بن گئی تھی۔۔۔ ناصر پر۔ شاید میرے شعور کی اندرونی تہوں میں یہ خیال کار فرما رہا ہو کہ اس طرح مجھے اپنے جرم کے احساس سے فرار کی راہ مل جائے۔۔۔۔"

"کون جانے آپ کے سب کانشنس نے آپ کو صحیح روشنی دکھائی ہو!"

"نہیں منوج صاحب۔۔۔ خود فریبی سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔"

"مگر کبھی کبھی خود فریبی ہی علاج بنتی ہے۔۔۔ آپ آگے لکھنے کی کوشش تو کیجیے۔"

رما بے چین ہو کر منوج کو دیکھنے لگی اور جب بولی تو آواز سے قدرے جھلاہٹ جھلک رہی تھی۔۔۔

"آپ سمجھتے کیوں نہیں، میں جب تک ناصر سے ایک دفعہ مل نہ لوں، اس کی کہانی کیسے لکھ سکتی ہوں؟۔۔۔ فرضی داستان لکھ ڈالنا، وہ بھی ناصر پر۔۔۔ ایک اور جرم کے احساس کو جنم دے گا۔ کاش میں اس سے ایک دفعہ مل سکوں!"

اسوانی کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ اور نہ اس نے کچھ اور پوچھنا مناسب سمجھا۔

اسوانی کے آفس سے روانہ ہونے لگی تو یکایک رما کو خیال آیا کہ پروفیسر راجن کے کالج جاکر اس سے مل لے، ورنہ وہ پھر فون کرے گا، یا گھر آجائے گا۔ رما نے اپنی کار یونیورسٹی روڈ کی طرف موڑدی۔

شہر سے دور اس نئی یونیورسٹی کا کیمپس وسیع رقبے میں پھیلا ہوا تھا، جس میں لڑکوں کے ہاسٹل کے علاوہ ٹیچرز کے کوارٹرز بھی تھے۔

یونیورسٹی پہنچ کر رما نے راجن کا کمرا تلاش کیا۔ مگر راجن کمرے میں نہیں ملا۔ چپراسی نے بتایا کہ وہ آج کالج نہیں آئے۔ شاید ان کی بیوی کی طبیعت پھر بگڑ گئی ہے۔

رما دل برداشتہ ہوکر کمرے سے نکل آئی۔ راستہ بھر وہ اس ملاقات کے لیے اپنے آپ کو ذہنی طور پر تیار کرتی آئی تھی۔ اتنے میں چپراسی نے کہا۔۔۔"آپ چاہیں تو ان سے گھر پر مل لیں۔ وہ پاس ہی رہتے ہیں۔"

رما شش و پنج میں پڑ گئی۔ دلی میں کالج کے زمانے میں وہ اپنے کام سے پروفیسر کے گھر پر بھی ملتی تھی۔ مگر اب بات اور تھی۔ وہ سوچنے لگی، اور پھر وہاں انیتا بھی ہوگی!

مگر اسی لمحے یک بارگی اس کی ایگو اس کے پس و پیش پر حاوی ہو گئی۔۔ وہی ایگو جو موقع پڑنے پر اس کو بغاوت پر بھی آمادہ کردیتی تھی۔۔۔ اس نے انیتا یا کسی اور کی کبھی پرواہ کی تھی؟۔۔۔

چپراسی اسے پروفیسر کے کوارٹر لے گیا۔

راجن نے رما کو دیکھا تو حیران رہ گیا۔ اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ رما اس سے ملنے اس کے گھر آجائے گی!۔۔۔ ویسے اس وقت وہ کسی سے ملنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ آنکھیں خمار آلود ہورہی تھیں۔۔۔ سر کے لمبے لمبے بال بکھر کر کانوں اور آنکھوں پر آگرے تھے اور کمرے میں آتے وقت اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔۔۔ رما اسے تعجب سے دیکھنے لگی۔

"بہت اچھا کیا رما جو چلی آئیں۔" پروفیسر نے سنبھل کر کہا "۔۔۔ ورنہ شاید میں آجاتا تمہارے گھر۔۔۔۔"

شراب کی بو اتنی دور سے بھی رما نے محسوس کرلی۔ حیرت سے بولی۔۔۔ "مگر آپ کی بیوی کی طبیعت اتنی خراب ہورہی ہے۔۔۔!"

"انتیا کی بات کیوں کرتی ہو؟۔۔ اسے کچھ نہیں ہوا۔ زندہ ہے ابھی تک"۔۔۔ نفرت میں ڈوبی پروفیسر کی آواز نے رما کو چونکا دیا۔

"۔۔۔ شائد میں غلط وقت پر آئی ہوں۔" رما کے منہ سے نکلا۔

"نہیں۔۔۔ تم ٹھیک وقت پر آئی ہو۔ تمھیں میری حالت دیکھ کر تعجب ہورہا ہے۔۔۔ مگر میں کب سے اسی عذاب میں جی رہا ہوں۔ انتیا نے میری زندگی جہنم بنا رکھی ہے۔۔۔ سات سال! تم نہیں جانتیں امریکہ میں یہ سات سال میں نے انتیا کے ساتھ کس طرح گزارے ہیں! تمھیں یہی بتانا چاہتا تھا۔۔۔ رما، وہ مجھ سے انتقام لینا چاہتی تھی۔۔۔"

پروفیسر کہتے کہتے رک گیا۔ اس کی خمار آلود آنکھوں میں عجیب چمک آگئی تھی۔

"انتقام؟"۔۔۔ رما نے آہستہ سے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ اس لیے کہ وہ جانتی تھی، شروع سے تم میری آئیڈیل رہیں۔ اور۔۔۔ وہ کبھی تمہاری جگہ نہیں لے سکی،۔۔۔۔ کبھی بھی۔"

یکایک اندر کے دروازے سے ملازمہ داخل ہوئی۔ وہ پروفیسر سے کچھ کہنا چاہتی تھی، مگر اس کو دیکھتے ہی پروفیسر نے غصے سے کہا۔۔۔ "چلی جاؤ یہاں سے۔۔۔ ڈونٹ ڈسٹرب می۔"

خادمہ خوف زدہ سی ہوکر فوراً واپس چلی گئی۔

چند سکنڈ کے لیے کمرے کی فضا میں ٹینشن بھری خاموشی کسی چیخ کی گونج کی طرح اعصاب پر سوار ہونے لگی۔ یک لخت پروفیسر نے پہلو بدلا اور اٹھ کر رما کے سامنے آکھڑا ہوا۔۔۔۔

"رما۔ دل یو میری می؟"۔۔۔۔

الجھے ہوئے سانسوں میں پروفیسر نے یہ جملہ بڑی تیزی سے ایسے کہہ دیا، جیسے نہ کہتا تو نہ جانے کب سے اندر ہی اندر مچلتے ہوئے یہ الفاظ لاوے کی طرح پھٹ کر باہر آجاتے!

"وہاٹ۔۔۔؟" رما کے منہ سے نکلا۔ اس کے حق دق چہرے سے لگ رہا تھا، جو اس نے سنا، اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔

"ہاں رما۔۔۔ کب سے یہ الفاظ میری زبان پر آنے کے لیے تڑپتے رہے۔ مگر میں کہہ نہ سکا۔ روزِ اول سے تم میرے دل و دماغ پر چھائی رہیں۔۔۔ اور یہ بات ان دنوں کالج میں سب ہی جان چکے تھے۔ کیا تم نہیں جانتی تھیں؟"

پروفیسر رک کر رما کو دیکھنے لگا جو اب بھی خالی خالی نظروں سے اسے تکے جارہی تھی اور جس کی قوت گویائی جیسے سلب ہوگئی تھی۔

"۔۔۔ مگر میں تمھیں کوئی دوش نہیں دیتا۔ کیوں کہ ان ہی دنوں آنند تمھاری زندگی میں داخل ہوا اور سیلاب کی طرح تمھارے دل و دماغ، ہوش و حواس، سبھی کچھ بہا لے گیا۔ اور تم بہتی چلی گئیں۔۔۔ میری نظروں سے اوجھل ہوگئیں۔"

رما کے اوسان جمع ہوئے تو اسے یک لخت شدید بیزارگی اور وحشت کا احساس ہوا۔ اس کے ذہن میں آیا کہ اس دم گھونٹنے والی فضا سے اسے فوراً چلا جانا چاہیے۔

"نہیں۔ رما۔۔۔ تم ابھی نہیں جاسکتیں۔ میری بات ختم نہیں ہوئی ہے۔ سن لو گی تو جواب دینے میں آسانی ہوگی۔۔" پروفیسر کے لہجے میں وحشیانہ کرختگی کی جھلک محسوس کر کے رما چونک گئی۔ مگر دوسرے ہی لمحے پروفیسر نے اپنا لہجہ نرم کرلیا۔۔۔

"مجھ سے اتنی اجنبیت مت برتو رما۔۔۔ مجھے ہم دردی کی ضرورت ہے۔ تم نہیں جانتیں انیتا ایک وائرس کی طرح میری زندگی سے چمٹی رہی۔۔۔ میرے تعاقب میں امریکہ بھی چلی آئی اور جب اسے یقین ہوگیا کہ وہ میرے دل میں کبھی تمھاری جگہ نہیں پاسکے گی، تو انتقام کی خاطر خود کو شراب میں غرق کرلیا۔ الکوہلک بن گئی۔ اور میری زندگی اجیرن کردی۔ امریکہ میں رہنا مشکل کردیا۔۔۔ مگر اب وہ چند دن کی مہمان ہے۔ اس کا جگر

اور پھیپھڑے بالکل ناکارہ ہو چلے ہیں۔۔۔"

یہ کہتے کہتے پروفیسر پھر رما کے سامنے آکھڑا ہوا۔۔۔

"۔۔۔ بتاؤ رما۔ کیا تمہارے دل میں میرے لیے کوئی ہم دردی نہیں ؟۔۔۔ تم چاہو تو میری زندگی کا کھنڈر پھر سے آباد ہو جائے۔ اب جب کہ آنند بھی نہیں رہا۔۔۔"

رما ایک لخت اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"اسٹاپ دس نان سنس۔ ہاؤ ڈیر یو۔۔۔ ؟"

سخت غصے کی حالت میں اس کا سانس پھول گیا تھا، جس میں الجھ کر اس کی کانپتی ہوئی آواز ٹوٹ کر رہ گئی۔ جھک کر صوفے پر سے اپنا پرس اٹھانے لگی تو پروفیسر ایک قدم آگے بڑھ آیا۔

"ڈونٹ گٹ اپ سٹ، رما۔۔۔ میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔" پروفیسر کی آنکھوں میں عجیب چمک آگئی تھی۔

رما ایک لمحے کے لیے ٹھٹک کر جہاں کی تہاں رک گئی۔ پھر خود کو سنبھال کر بولی۔۔۔

"یو آر مسٹیکن، پروفیسر۔ آنند نہیں رہا۔۔۔ مگر میں تنہا نہیں ہوئی۔"

"وہاٹ ڈو یو مین ؟۔۔۔ تنہا نہیں ہوئی ؟" جذبات کی کشاکش میں ڈوبی پروفیسر کی آواز لڑکھڑا کر ڈراونی لگ رہی تھی۔

کوئی جواب دینے کی بجائے رما نے وہاں سے چلے جانے کے لیے قدم بڑھایا، تو پروفیسر تیزی سے اس کے سامنے آگیا۔۔۔ "نہیں، تم ابھی نہیں جاسکتیں۔۔۔ ورنہ پھر وقت نہیں ملے گا۔"

کاہے کا وقت ؟۔۔۔ رما نے چونک کر دیکھا، پروفیسر کی آواز کی طرح اس کا چہرہ بھی ڈراونا لگ رہا تھا۔

"آپ اپنے ہوش میں نہیں ہیں۔۔۔ مجھے جانے دیجیے۔"

رما نے جانے کے لیے پھر قدم بڑھایا تو پروفیسر نے دونوں ہاتھ اس کے کاندھوں

پر رکھ دیے اور پوری قوت سے صوفے پر دھکیلتے ہوئے بولا۔۔۔

"ہاں۔ میں پاگل ہو گیا ہوں۔۔۔ اور تم ہو اس کی ذمہ دار۔"

رما خوف زدہ ہو کر پروفیسر کو دیکھنے لگی۔

پروفیسر کے سر پر شکست خوردہ جذبات کے انتقام کا وحشی جنون سوار ہو گیا تھا۔ آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے،۔۔۔ اور اکھڑی اکھڑی سانسوں میں جانے کیا کیا بے ربط الفاظ اس کے منہ سے نکل رہے تھے!

اس نے جھک کر رما کو اپنی دونوں بانہوں میں جکڑ کر اوپر اٹھا لیا، اس کے ہاتھوں میں بلا کی طاقت آ گئی تھی۔ اس کی فولادی گرفت میں رما کا سانس رکنے لگا تو اس نے چیخ کر پروفیسر کو پیچھے دھکیل دیا۔

پروفیسر کے لڑکھڑاتے قدم ایک لمحے کے لیے اپنا توازن کھو بیٹھے۔ کسی بپھرے ہوئے زخمی جانور کی خرخراہٹ جیسی آواز اس کے حلق سے نکلی،۔۔۔ مگر فوراً ہی اپنے آپ کو سنبھال کر پلٹا تو اس کے مکروہ چہرے پر شیطانی قوتیں ناچ رہی تھیں۔۔۔۔

اسی لمحے رما کی نظر انیتا پر پڑی جو جانے کب اپنے بستر سے اٹھ آئی تھی اور دروازے میں کھڑی چپ چاپ اسے اور پروفیسر کو دیکھ رہی تھی۔ رما کے قدم جہاں کے تہاں رک گئے۔

انیتا کے ہاتھ میں پستول تھا اور اس کا سارا جسم بید کی طرح کانپ رہا تھا۔ بیماری سے چہرہ زرد پڑ کر بری طرح پھول گیا تھا۔ جس میں دھنس کر آنکھیں دو شگافوں کی مانند لگ رہی تھیں۔ مہین نائٹ گون میں سوکھے ہاتھ پیر کسی مرجھائی ہوئی جھاڑی کی ٹہنیاں لگ رہے تھے جس کے پتے جھڑ چکے ہوں اور۔۔۔ وہ خود بھی ہوا کے ایک تیز جھکڑ کی مہمان ہو۔

انیتا کے حلق سے ایک عجیب دل خراش آواز بلند ہوئی، جو نہ چیخ تھی اور نہ قہقہہ! کمرے کی ہر شئے نے سہم کر دم سادھ لیا۔۔۔ انیتا پستول تھامے کمرے کے وسط میں آ گئی۔

اور اب جیسے پہلی بار صورت حال کی نزاکت پروفیسر راجن کی سمجھ میں آئی۔ وہ سراسیمگی کی حالت میں انیتا کی طرف بڑھنا چاہتا تھا مگر انیتا کی خوف ناک آواز نے اسے وہیں روک دیا۔۔۔۔

"نہیں۔۔۔ تجھے میں بعد میں ماروں گی۔۔۔ پہلے مجھے اس چڑیل کا حساب چکانا ہے، جس کے ناپاک سائے نے میری ساری زندگی تباہ کرڈالی۔۔۔" انیتا کے ہاتھوں میں پستول بری طرح لرز رہا تھا۔۔۔ "اور اب یہاں بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑا۔۔۔ میں تم دونوں کو بھون کر رکھ دوں گی۔۔۔"

اتنی دیر میں انیتا تھک کر ہانپنے لگی تھی۔ اسے پتہ بھی نہیں چلا کہ منع کرنے کے باوجود پروفیسر بڑھ کر اس کے پاس آگیا تھا۔ یکایک چونک کر اس نے پستول اونچا کیا اور کانپتی انگلیوں سے لبلبی دبادی۔۔۔ کلک۔۔۔ کلک، بھی ہوئی، مگر گولی نہیں چلی۔۔۔ کلک۔۔۔ کلک ہوتی رہی۔

پروفیسر نے بڑھ کر اس کے لرزتے ہاتھوں سے پستول چھین لیا۔

"یو روٹ!۔۔۔ تھرڈ ریٹ چیٹ!"۔۔۔ اور اپنے ہاتھ چھڑا کر انیتا نے ایک زور کا طمانچہ پروفیسر کے منہ پر ماردیا۔۔۔ مگر اس طمانچے نے اس کے جسم کی ساری رہی سہی طاقت جیسے نچوڑ کر رکھ دی، اس کی کم زور ٹانگیں جواب دینے لگیں اور وہ وہیں فرش پر ڈھیر ہوکر زاروقطار رونے لگی۔۔۔ سوکھی جھاڑی کی ٹھنٹھ ٹہنیاں دیر تک کپکپاتی رہیں۔

(۳۱)

کھڑکی کے باہر لان میں بلیاں لڑتے لڑتے زور سے چیخیں تو رما کی گہری نیند ٹوٹ گئی۔ اسے لگا جیسے بلیوں کی آوازیں کسی بہت گہرے کنویں میں سے آرہی

پھر آہستہ آہستہ آوازیں قریب ہوتی محسوس ہوئیں تو ذہن بھی جاگتا چلا گیا۔۔۔ کروٹ لے کر دیکھا تو کھڑکی کے باہر لان پر، جہاں بلبلیاں لڑ رہی تھیں، ناریل اور سرو کے سائے لمبے ہو چلے تھے اور پھر ذہن پر چھائی ہوئی دھند یک بارگی چھٹ گئی۔ اب صبح نہیں، شام ہو رہی تھی۔

اور پھر وہیں بستر پر لیٹے لیٹے اس دن کی ایک ایک بات یاد آتی گئی۔ پروفیسر کا گھر۔۔۔ انیتا۔۔۔ وہاں سے نکل کر وہ اپنے گھر کیسے پہنچی! کار کس طرح چلائی!۔۔۔ اس کا اب بھی کچھ ہوش نہیں تھا۔۔۔ بس اتنا یاد آیا کہ جب گھر پہنچی تو اس کا ستا ہوا چہرہ دیکھ کر اس کی خادمہ دنگ رہ گئی تھی۔۔۔ اور پھر کافی کی ایک پیالی کے ساتھ نیند کی دو گولیاں لے کر وہ سیدھی بستر پر آن پڑی تھی۔

رما ان لوگوں میں نہیں تھی جو ذرا ذرا سی بات پر پریشان ہو جائیں۔ اپنی فہم و فراست اور خود اعتمادی کے بل بوتے پر اس نے زندگی کی منزلیں طے کی تھیں۔ لوگوں کے غیر متوقع رویے کو ان کی جبلی کمزوری پر محمول کر کے، انھیں معاف کر دینے کی عادت اس نے سیکھ لی تھی۔ مگر ادھر پچھلے چند دنوں اسے یکے بعد دیگرے جن ذہنی تناؤں سے گزرنا پڑا، اس نے اس کے اعصاب کو شل کر کے رکھ دیا تھا۔ جو بھروسہ اسے اپنی ذات پر تھا، وہ طلسم باطل کی طرح تحلیل ہوا جا رہا تھا اور پہلی بار اسے لگ رہا تھا وہ کتنی بے بس اور نا سمجھ ہے!

یہ زندگی کے آدرشوں کی باتیں، اعلیٰ قدروں پر یقین کے دعوے، یہ تہذیب و اخلاق کے پند و نصائح۔۔۔ سب بے معنی ہیں، کھوکھلے ہیں۔۔۔ انسانی جبلت، اس کی پنہاں خواہشات، اس کی آرزوئیں، اسے کتنا مجبور اور کمزور بنا دیتی ہیں!۔۔۔ سب شکست و ریخت ہو کر رہ جاتا ہے۔ دکھ،۔۔۔ صرف دکھ رہ جاتا ہے، جس سے نجات کی تلاش انسان کو اور دکھی بنا دیتی ہے۔ کون ہے سکھی؟۔۔۔ کہاں ہے مسرت؟ کسے ملی ہے وہ منزل جہاں روحانی تسکین نصیب ہو؟۔۔۔

جھوٹ۔۔۔ سب جھوٹ ہے۔۔۔ فریب ہے!۔۔۔ صرف دکھ ہے سچائی اور

ہم سب انسان ہیں، دیوتا نہیں۔

اس رات اپنے ذہنی انتشار کے اس عالم میں رما نے پھر ایک بار قلم ہاتھ میں لیا اور وہ کاغذات نکالے جو دلی سے ساتھ لائی تھی۔ ناصر کی داستان نے جو ہیجان رما کے ذہن میں کھڑا کر دیا تھا، اور جس کے زیر اثر غیر شعوری طور پر اس سے ایک ناول کی شروعات ہو گئی تھی۔۔۔ اس رات اسی کو آگے لکھتی چلی گئی۔۔۔۔

اور پھر ایک بار ناصر سے ملنے کی خواہش نے اسے بے چین کر دیا۔ اس کے بغیر وہ اپنے ناول کو اختتام تک کیسے پہنچائے گی!

(۳۲)

تیسرے دن انیتا نے ہسپتال میں دم توڑ دیا۔

یہ خبر سب سے پہلے آرتی نے رما کو دی۔ وہ ہسپتال میں انیتا سے ساری تفصیل سن چکی تھی۔ اس دن پروفیسر راجن اور رما کے درمیان جو کچھ ہوا تھا اسے انیتا کے بیان اور اپنی حاشیہ آرائی کے ساتھ آرتی نے لوگوں کے کانوں تک پہنچانے میں دیر نہیں کی تھی۔ رما کے اجلے امیج کو داغ دار کر دینے کا ایسا اچھا موقع مل جائے گا، اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ کہانی کو ہر مرتبہ ایک نیا موڑ دیتی گئی۔۔۔۔

منوج رما سے ساری تفصیل سن چکا تھا۔ انیتا کی موت کی خبر بھی اس کے لیے غیر متوقع نہیں تھی، پھر بھی، ٹیلی فون پر آرتی کی آواز میں چھپے ہوئے طنز کے نشتر نے اس کے سکون کو مجروح ضرور کر دیا۔ اس کا جی چاہا کہ آرتی کو بچوں کی طرح کوئی گندہ گالی دے، مگر پھر لی نا کے خیال سے، اس نے فون خاموشی سے رکھ دیا۔ لی نا کی آنکھیں منوج پر گڑی تھیں۔۔۔

"کتنی برائی بھری ہے اس دنیا میں!" کہتے ہوئے منوج اٹھ کھڑا ہوا اور میز پر سے آدھا لکھا ہوا کاغذ اٹھا کر توڑ مروڑ کر ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا۔۔۔ "لی نا۔ میں جارہا ہوں۔ یہ آرٹیکل کل کمپلیٹ کر کے تمھیں دوں گا۔ آج نہیں لکھ سکتا۔"

لی نا حیران ہوکر دیکھنے لگی۔۔۔ "کیا بات ہوگئی سر۔۔۔؟"

منوج نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے میز پر اپنا لائٹر تلاش کرتا رہا جو مل نہیں رہا تھا۔

لی نا نے پھر پوچھا "آپ کو کہیں جانا ہے؟"

منوج نے اب بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ لائٹر مل گیا تھا، اسے جیب میں ڈالتے ڈالتے رک کر لی نا سے بولا۔۔۔

"سنو لی نا۔ تم بھی اپنا کام بند کرو۔۔۔ مجھے کہیں جانا نہیں ہے۔ مگر اب کچھ نہیں لکھ سکتا۔ چلو۔۔۔ تمھارے گھر چلتے ہیں۔۔۔ تم عرصے سے کہہ رہی تھیں نا؟۔۔۔ تمھاری ممی سے بھی مل لوں گا۔"

لی نا حیرت میں ڈوبی سنتی رہی۔۔۔ پھر جب منوج کی بات پوری طرح اس کی سمجھ میں آئی تو خوشی سے پاگل ہو اٹھی۔ وفور جذبات میں کچھ کہنا چاہتی تھی، مگر الفاظ منہ سے نہ نکل سکے۔

چھوٹے سے کاٹیج نما گھر کو لی نا اور اس کی ممی نے سلیقے سے رکھ چھوڑا تھا۔ بھاری جسم کی ادھیڑ عمر ممی نے منوج کو دیکھا تو خوشی سے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ جلدی جلدی چائے بنا کر لائی ایک چھوٹا سا پلم کیک گھر میں تیار رکھا تھا۔۔۔ منوج کی خاطر داری میں بچھی جارہی تھی۔

"لی نا ہر وقت آپ کی باتیں سناتی رہتی ہے۔۔۔ آپ کی تعریف کرتے اس زبان نہیں تھکتی کبھی!" ممی نے بتایا۔

"لی نا بہت اچھی لڑکی ہے۔ ایفی شنٹ اور محنتی۔ میری بہت مدد کرتی ہے، کام

میں۔۔۔" منوج بولا۔

"یہ آپ کی مہربانی ہے، جو آپ ہمارے اس چھوٹے سے گھر آئے۔"

لی نا اک دم کچن سے نکل کر آئی اور بچوں کی طرح جوشیلے انداز میں بولی۔۔۔

"آپ کھانا کھائے بغیر نہیں جائیں گے سر،۔۔۔ آپ نے کہا تھا، آج آپ فری ہیں۔"

"نہیں۔ لی نا۔ آج رہنے دو۔۔۔ ویسے بھی تم جانتی ہو، میں دوپہر کو نہیں کھاتا۔"۔۔۔ منوج بولا۔

"آج کھالیجیے سر،۔۔۔ ہماری خاطر۔ ابھی تھوڑی دیر میں ہوا جاتا ہے۔۔۔"۔۔۔ اور منوج کے کچھ اور کہنے سے پہلے پھر کچن کی طرف بھاگ گئی۔

منوج نے مسکرا کر ممی سے کہا،۔۔۔ "اب آپ جلدی سے لی نا کی شادی کر ڈالیے۔"

یکایک ممی کے چہرے پر سنجیدگی چھا گئی۔ تھوڑی دیر خاموش بیٹھی رہی پھر آہستہ سے بولی۔۔۔ "میں بھی دن رات اسی فکر میں گھلی جارہی ہوں سر۔"

"آپ مجھے سر مت کہیے میڈم۔" منوج جلدی سے بولا۔۔۔ پھر ذرا سے توقف کے بعد پوچھنے لگا۔۔۔ "مگر لی نا کی شادی کے لیے اتنی فکر مند کیوں ہیں آپ۔۔۔؟"

"۔۔۔ وہ کسی سے شادی کرنا نہیں چاہتی۔ آپ کو نہیں بتایا کبھی؟" ممی نے پوچھا۔

"لزلی سے بھی نہیں؟"۔۔۔ منوج نے تعجب سے پوچھا۔

"۔۔۔ لزلی؟!" ممی کے چہرے پر حیرانی پھیل گئی۔

منوج نے اور زیادہ تعجب سے ممی کو دیکھا۔۔۔ "لزلی۔۔۔ جو پونا کی ڈیفنس کیڈمی میں انڈر ٹریننگ ہے؟۔۔۔ اور جو ویک اینڈز پر لی نا سے ملنے آتا رہتا ہے۔۔۔ کیا آپ کو نہیں بتایا لی نا نے۔۔۔؟"

ممی کے چہرے پر یکایک عجیب سا تناؤ پھیل گیا۔۔۔ جیسے کسی خیال سے

سہم گئی ہو۔

منوج اسے غور سے دیکھنے لگا۔۔۔ ۔ "کیا آپ کو نہیں معلوم،۔۔۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے بے حد محبت کرتے ہیں ؟"

ممی نے نظریں اٹھا کر منوج کو دیکھا تو منوج ششدر رہ گیا۔ ممی کی آنکھیں ڈبڈبا آئی تھیں۔ ہونٹ لرز رہے تھے، جیسے کسی اندرونی کرب کے اظہار کو روکنے کی کوشش کر رہے ہوں۔ کمرے کی فضا عجیب پُر اسرار خاموشی میں ڈوب گئی تھی۔ صرف کچن سے برتنوں کے الٹ پلٹ کرنے کی آوازیں تھوڑی دیر سے آرہی تھیں۔۔۔۔

بالآخر ممی کی آواز نے اس خاموشی کو توڑا جو بوجھل ہوئی جارہی تھی۔۔۔

"نہیں منوج صاحب۔ میں سب جانتی ہوں۔ مگر جو آپ نہیں جانتے، وہ یہ ہے کہ لی نا نے آپ سے سب جھوٹ کہا ہے۔ کہیں کوئی لزلی نہیں ہے۔ نہ کوئی اس سے ملنے آتا ہے! ۔۔۔ یہ سب اس کے دماغ کی پیداوار ہے۔ وہ بچپن سے خیالی دنیاؤں میں رہتی ہے۔۔۔ ڈاکٹر نے کہا تھا، اس کھیل میں اس کی اندرونی خواہشیں چھپی رہتی ہیں۔"

ممی کی بھاری آواز میں وہ پیار جھلک رہا تھا جو اسے لی نا سے تھا۔ اور پھر یک بارگی منوج کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ بولی۔

"اسے صرف آپ سے محبت ہے!۔ مجھے معلوم ہے، دن رات اس کے خیالوں میں آپ بسے رہتے ہیں۔۔۔ آپ کی ذرا ذرا سی بات اس کے لیے بے حد اہم ہو جاتی ہے۔ آپ خوش ہوں، تو وہ نہال رہتی ہے۔ اور آپ کو کسی سے ذرا سی بھی تکلیف پہنچے، تو وہ دن بھر اداس رہتی ہے۔۔۔ بے وقوف لڑکی۔۔۔ خیالوں کے دیس میں رہتی ہے۔"

ممی کہتی جارہی تھی اور منوج سکتے کے عالم میں سن رہا تھا۔ اسے یہ بھی ہوش نہیں تھا کہ چائے کی خالی پیالی کب سے اس کے ہاتھ میں دھری ہے۔

(۴۲)

بیٹی کے آنے کی خبر سے جو خوشی اور اکسائیٹ منٹ ماں کو ہوا تھا، اس پر پچھلے چند دنوں کے واقعات سے اوس سی پڑ گئی تھی۔ دن قریب آرہے تھے، اور رما کو نیل کمل کی شادی کے تعلق سے ابھی کئی کام کرنے تھے۔

جوہری کی دکان سے فون آیا تھا کہ زیورات تقریباً تیار ہیں۔ وہ ایک بار آکر اطمینان کرلے تو دوسرے ہی دن بھجوادیے جائیں گے۔ رما اس دن سب سے پہلے وہیں چلی گئی۔۔۔

زیورات ہدایت کے مطابق بنے تھے۔ وہ مطمئن ہوکر درزی کی دکان پر چلی گئی جہاں نیل کمل کے لیے کچھ کپڑے سلنے کو دے رکھے تھے۔ مگر یہاں کام ابھی باقی تھا۔

رما نے سوچ رکھا تھا کہ نیل کمل کے لیے جو سنگھار میز خریدے گی، وہ روایتی سنگھار میزوں سے مختلف مگر خوب صورت ہو۔ ایک دفعہ تلاش میں نکلی تھی، مگر اس کی مرضی کے مطابق کہیں نظر نہیں آئی۔

درزی کی دکان سے نکل کر ایک مرتبہ پھر سنگھار میز کی تلاش میں گھومنے لگی۔ لکڑی کے فرنیچر کے بڑے بڑے شوروم دیکھتی پھری، مگر خواہش کے مطابق کوئی سنگھار میز نہیں ملی۔۔۔ بالآخر اس نے سوچ لیا کہ اب اس کا انتخاب وہ نیل کمل پر ہی چھوڑ دے گی۔

کار اسٹارٹ کرتے کرتے رما کی نظر سامنے ہی آئس کریم پارلر پر پڑی۔ کافی دیر سے اسے پیاس لگ رہی تھی۔ تھک بھی گئی تھی۔ پتہ نہیں کتنے عرصے کے بعد یکایک اس

کے جی میں آیا اور وہ تنہا پارلر میں جا بیٹھی۔ ویٹر سے تاکید سے کہا کہ آئس کریم لانے میں دیر نہ کرے۔

پارلر میں اس وقت بہت کم لوگ تھے۔۔۔ مشکل سے چار پانچ۔ کیبن بھی خالی خالی لگ رہے تھے۔

مگر اسی لمحے جیسے کسی نے اچانک اس کے ذہن میں کوئی سوئچ دبا دیا اور یادوں کی گرہیں آپ ہی آپ کھلنے لگیں۔۔۔

سنگاپور میں آنند اکثر اسے اپنی پسند کے ایک پارلر میں آئس کریم کھلانے لے جایا کرتا تھا۔۔۔ بڑی خوب صورت جگہ تھی۔ وہ لوگ کھڑکی کے پاس بیٹھا کرتے تھے، جہاں سے دور تک سمندر نظر آتا تھا۔ سبزی مائل نیلگوں پانی میں ہچکولے کھاتی چھوٹی بڑی کشتیوں کے اوپر سمندری چڑیوں کی پروازیں بڑی بھلی لگتی تھیں۔ کبھی کوئی بڑا جہاز گزرنے لگتا تو رما دیر تک اسے دیکھا کرتی، جب تک کہ وہ افق پر نظروں سے اوجھل نہ ہونے لگے۔۔۔ آئس کریم کے دو دو تین تین دور ہوجاتے اور آنند مسلسل باتیں کیے جاتا۔۔۔ اپنے آفس کی،۔۔۔ وہاں ملازم چینی لڑکیوں کی،۔۔۔ اور رما کو ستانے کے لیے ان کے فلرٹیشن کی! کتنے سرور کے دن تھے وہ!

ایک مرتبہ پارلر میں کھڑکی والی نشستیں حاصل کرنے کے لیے آنند کو دو انڈونیشینس سے تکرار کرنی پڑگئی تھی۔ وہ لوگ مان نہیں رہے تھے۔ آخر میں آنند ہاتھا پائی پر اتر آیا تو بے چارے خاموشی سے اٹھ کر چلے گئے۔۔۔ آنند ہار جانے والوں میں نہیں تھا۔

آنند کی یادیں اب رما کو رنجیدہ نہیں کرجاتی تھیں۔ بلکہ اتنی دیر جیسے سچ مچ آنند اس کے ساتھ ہوتا اور وہ ان سہانی گھڑیوں کے کیف سے دوبارہ گزرتی۔۔۔ اس وقت بھی پارلر میں تنہا نہیں تھی۔۔۔ آنند مقابل کی کرسی پر بیٹھا اس کے ساتھ مسکرا کر آئس کریم کھا رہا تھا۔

رما اس وقت چونکی جب ویٹر نے بل لاکر اس کے سامنے رکھا۔

رما پرس کھولنے لگی تو دھیرج گھوش کی آواز نے اسے چونکا دیا۔۔۔" ہلو رما دیوی۔۔۔!"

وہ اپنے کسی دوست کے ساتھ ایک کیبن سے نکل کر آرہا تھا۔ دوست کو اشارے سے چلے جانے کے لیے کہہ کر گھوش رما کے مقابل آ بیٹھا۔۔۔" یہ کیا؟۔۔۔ آپ تو جارہی ہیں! ۔۔۔ مائی بیڈلک۔۔۔!"

"آپ کو کوئی کام تھا۔۔۔ مجھ سے؟" رما نے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ کام تو نہیں، مگر معلوم ہوتا تو میں یہ وقت آپ کے ساتھ گزارتا۔۔۔ کچھ باتیں کرتا۔"

"اب بھی کرلیجیے وہ باتیں۔۔۔ کیا منگواؤں آپ کے لیے؟"

"نو، تھینکس۔۔۔" گھوش جلدی سے بولا۔۔۔" ابھی کھاپی کر آرہا ہوں۔"

اس کے بعد چند سکنڈ تک وہ کچھ نہیں بولا۔ پہلو بدل کر خاموش بیٹھا رہا۔۔۔ جیسے فیصلہ کررہا ہے، بولے کہ نہ بولے!

"رما دیوی۔ پروفیسر کے بی ہیویر پر مجھے بہت افسوس ہوا۔" بالآخر وہ بولا۔

رما چپ رہی۔

"انیتا اسی شاک میں ختم ہوگئی۔۔۔ یہ دنیا بڑی سفاک ہے رما دیوی۔ آپ جانتی ہیں، آرتی کیا کہتی پھر رہی ہے؟۔۔۔ انیتا کی موت کی ذمہ دار آپ ہیں۔۔۔!"

رما اب بھی چپ تھی۔ اس کے چہرے پر کوئی ردِ عمل تک نہیں تھا۔ گھوش کو عجیب لگا۔۔۔

"اور عجیب بات یہ کہ اس نے میری بیوی کو بھی اپنا ہم نوا بنالیا!۔۔۔ یہ عورتیں کتنی جلدی دوسری عورتوں سے حسد کرنے لگتی ہیں!۔۔۔ خاص طور پر اگر دوسری عورت خوب صورت ہو، نیک نام ہو، اور۔۔۔ تنہا ہو۔"

"مگر آرتی اور اندرانی عام عورتوں میں نہیں۔۔۔ ان کا شمار انٹیلکچویلس میں ہوتا ہے۔"

"نہیں ... سب فارس ہے، فراڈ ہے۔ اندرانی سے شادی کر کے میں نے بھی دھوکا کھایا۔ وہ میرے لیے ٹوٹل مس فٹ ہے، رما دیوی ... آپ نہیں جانتیں، اس نے میری زندگی کیسی دوزخ بنادی ہے ...!"

رما کے ذہن میں کسی نے کھٹ سے وارننگ کا بٹن دبادیا ... وہی پرانا پینترا! .. اپنے کو قابلِ رحم بتاکر عورت کے دل میں ماں کا جذبہ جگا دینا۔ اور جیسے ہی وہ پسیجی، بانہوں میں جکڑ لینا ...

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں، گھوش صاحب؟"

گھوش چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گیا۔ پھر بے چین ہو کر پہلو بدلا ...

"ابھی آپ کی زندگی کا کافی سفر باقی ہے، رما دیوی، ... جو تنہا طے کرنا ہے۔ آپ چاہیں تو ... میں آپ کا ساتھ دینے کو تیار ہوں۔ کئی بار آپ سے کہتے کہتے رک گیا، ہمت نہیں ہوئی ..."

رما سن سے رہ گئی۔ سر سے پیر تک غصے کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اسے لگا جیسے رگوں کا سارا خون کھنچ کر کنپٹیوں میں آ جمع ہوا ہے۔ ایسے میں اس کے جی میں آئی کہ اٹھ گھوش کے منھ پر ایک زور کا طمانچہ جڑ دے، اور پوچھے اسے یہ بات کہنے کی جراءت کیسے ہوئی؟ مگر رما نے حسبِ عادت خود کو سنبھال لیا۔ بڑی مشکل سے اپنی آواز کو قابو میں رکھتے ہوئے بولی ...

"مسٹر گھوش ... آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ زندگی کے سفر میں نہ میں تنہا ہوں، ... اور نہ مجھے کسی کی مدد کی ضرورت ہے۔"

اور پھر ذرا سے توقف کے بعد بولی۔ "مجھے آپ سے ہمدردی ہے، مسٹر گھوش۔ کیوں کہ ... آپ بے وقوف ہیں۔ آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں آپ کی چوتھی بیوی بن کر آپ کے ناولوں کو ایک اور کیرکٹر فراہم کردوں گی؟ ... "You go. and try somewhere else" غصے میں لرزتی ہوئی وہ تیزی سے اٹھ کر چلی گئی۔ پارلر میں بیٹھے ہوئے تھوڑے سے لوگ مڑ کر اسے تعجب سے دیکھ رہے تھے۔ پھر وہ گھوش کو دیکھنے لگے

جو دیر تک اسی جگہ اسی طرح بیٹھا رہا۔

۔۔۔ فراڈ۔۔۔ فراڈ۔۔۔ سب بکواس۔۔۔

رما ایک بار پھر دماغ میں مچے ہوئے طوفان کے تھپیڑوں میں، پر ہجوم سڑکوں پر کار چلاتی ہوئی گھر پہنچی تو نوکرانی اس کا چہرہ دیکھ کر دم بہ خود رہ گئی۔

(۴۴)

منوج دو دن تک پھر لاپتہ رہا۔ لی نا سے بھی اس کے گھر پر ہی کہہ دیا تھا کہ اگلے دو دن آفس آنے کی ضرورت نہیں۔ حسبِ معمول کسی کو خبر نہیں تھی، و کہاں رہا۔

تیسرے دن آفس آیا تو ایک سبز رنگ کا چھوٹا سا لفافہ اس کی میز پر دھرا تھا۔ اوپر لکھا تھا "پرسنل"۔ کھولا، تو ایک چھوٹے سے کاغذ پر مختصر سی عبارت تھی۔ پڑھنے کے بعد منوج یکایک خاموش ہو گیا۔ دیر تک کسی سوچ میں غرق رہا۔ ایش ٹرے میں رکھے رکھے جلتا ہوا سگریٹ راکھ کی پنسل میں تبدیل ہو چکا تھا۔ لی نا اسے تجسس بھری نگاہوں سے تکے جا رہی تھی۔

۔۔۔ "یہ خط میری بیوی نے بھیجا ہے، انگلینڈ سے۔۔۔ واپس آنا چاہتی ہے۔۔ ۔۔ پوچھا ہے، کیا میں اسے معاف کر دوں گا؟"

یہ اطلاع لی نا کے لیے بھی اتنی ہی اچانک اور غیر متوقع تھی، جتنی منوج کے لیے۔ گم سم سی رہ گئی۔ ساری چہل اور طراری بھول کر سہمی سہمی سی منوج کو دیکھنے لگی۔۔۔ کئی سکنڈ اسی خاموشی میں گزر گئے۔

"۔۔۔کیا آپ معاف کردیں گے، سر؟"

منوج نے نیا سگریٹ جلالیا تھا۔۔۔ "سنو لی نا۔ تمھارے جاننے کے لیے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ایک آدھ مہینے میں میں چندی گڑھ جاکر نیو ہورائزن پبلی کیشن جوائن کرلوں گا۔۔۔ سادھنا کنسرن والا۔ وہ لوگ بہت دنوں سے بلارہے ہیں۔۔۔ اب میں نے فیصلہ کرلیا ہے۔۔۔"

منوج رک کر لی نا کو دیکھنے لگا، جو پھٹی پھٹی نظروں سے اسے دیکھے جارہی تھی۔۔۔ چپ چاپ۔ جیسے منوج کی بات کا مطلب پوری طرح اس کے پلے نہیں پڑا ہے۔

۔۔۔ "ظاہر ہے کہ میں چندی گڑھ چلا جاؤں گا۔ یہ آفس بند ہوجائے گا۔۔۔"

اچانک ایک سرد، برفیلی لہر لی نا کے سر سے پاؤں تک تیر گئی! وہ سہم کر رہ گئی۔۔۔ بھیانک حقیقت اب اس پر کھلتی جارہی تھی۔

۔۔۔ "ہاں۔ لی نا۔۔۔ یہ تو ہونا ہی تھا، ایک دن۔ چندی گڑھ نہیں تو پھر کلکتے چلا جاتا۔۔۔ اسی میں بہتری ہے، میری بھی اور تمھاری بھی۔۔۔ کیا تم ساری عمر اس چھوٹے سے آفس میں اپنا کیریر خراب کرو گی؟۔۔۔ تم ٹیلینٹڈ ہو، ترقی کی بلندیوں تک جاؤ گی۔

اور سنو۔۔۔ زندگی ڈے ڈریمنگ نہیں ہے۔ حقیقت کا سامنا کرنا سیکھو۔ چاہے وہ شروع میں کڑوی لگے۔۔۔ تمھیں اس سے کہیں اچھا جاب مل جائے گا۔ میں ریکمنڈ کروں گا۔۔۔ اور اچھا ساہس بینڈ تلاش کرکے جلد سے جلد شادی کرلو۔۔۔ ممی بوڑھی ہوتی جارہی ہیں۔"

۔۔۔ اس دوران منوج نے ایک دفعہ بھی لی نا کی طرف نہیں دیکھا۔ بس میز پر فائلوں کو بے مطلب ادھر ادھر کرتا رہا۔

(۳۵)

روپیش کچھ دنوں کے لیے لوکیشن شوٹنگ پر اوٹی گیا ہوا تھا۔ لوٹا تو اس کے کانوں تک بھی وہ باتیں پہنچیں جو رما کے تعلق سے سوسائٹی کے انٹلکچوئل طبقے میں ہو رہی تھیں۔۔۔ پروفیسر کے واقعے کو آرتی نے فون پر ہی اس انداز میں تفصیل سے سنا دیا جیسے وہ خود وہاں موجود تھی، اور رما کی "مذموم" حرکتوں کی چشم دید گواہ ہے۔ روپیش کو یقین نہیں آسکا۔ اس نے بھی رما کو قریب سے دیکھا تھا اور اس کا مداح رہا تھا۔ ایک شام اپنے پس و پیش پر غالب آکر اس نے رما کو فون کیا کہ وہ ملنے آنا چاہتا ہے۔

یہ وہی دن تھا جب آئس کریم پارلر میں دھیرج گھوش کی باتوں سے رما کو سخت ذہنی اذیت پہنچی تھی۔

روپیش کی آواز نے اسے قدرے دلاسا دیا۔۔۔ "تم کہاں تھے اتنے دن؟۔۔۔ ابھی آجاؤ۔ بہت سے کام ہیں، جو تمھیں میرے لیے کرنے ہیں۔۔۔ نیل کمل آرہی ہے، شادی کے لیے۔۔۔" رما کہتی چلی گئی۔

اور جب روپیش آیا تو رما نے اسے دیر تک روک لیا۔ پہلے تو نیل کمل کی باتیں ہوتی رہیں پھر یکایک بولی۔۔۔

"مگر تم جن باتوں کے سننے کے لیے آئے ہو، میں جانتی ہوں اور اب میں تمھیں وہی باتیں سنانے والی ہوں۔۔۔"

اس دن رما بے تکان بولے جارہی تھی۔ اس نے وہ ساری باتیں روپیش کو سنادیں، جنھیں جاننے کے لیے وہ آیا تھا۔۔۔ اور وہ باتیں بھی، جو اس نے کسی سے نہیں سنی تھیں اور نہ اسے معلوم تھیں۔۔۔ پروفیسر راجن اور انیتا کی۔ مشہور ناولسٹ

دھیرج گھوش کی، اور معصوم ناصر کی بے زبان محبت کی !

خاموش رہنے والی رما اس دن عجیب ہذیانی کیفیت میں باتیں کیے جارہی تھی، جو کئی جگہ بے ربط بھی ہوئی جارہی تھیں۔ روپیش بت بنا خاموش سنتا رہا۔۔۔

" روپیش۔ کتنا دکھ پھیلا ہوا ہے اس دنیا میں !۔۔۔ اور سب کو تلاش ہے، سکھ کی !۔۔۔ دوڑ رہے ہیں اس کے پیچھے، جو بادل کا گزرتا ہوا سایہ ہے،۔۔۔ اور جب وہ گزر جاتا ہے، تو محرومی کا احساس اور دکھی کر دیتا ہے !۔۔۔ جسم کی بھوک مٹ بھی جائے تو روح پیاسی رہ جاتی ہے !۔۔۔

کوئی شکایت، کوئی گلہ نہیں ان سے جن سے مجھے آزار پہنچا۔ تعجب بھی نہیں۔ انھوں نے وہی کیا جو انھیں کرنا چاہیے تھا۔۔۔ ایسا نہ کرتے تو ہوتا تعجب !۔۔۔ اپنے اپنے شکنجوں میں سب بے بس ہیں۔۔۔ انٹیلکچویلس کیا اور غیر انٹیلکچویلس کیا !

۔۔۔ فضول۔۔۔ سب فضول۔۔۔ کچھ نہیں ہے دکھ کے سوا۔ سب جھوٹ۔۔۔"

(۳۶)

نیل کمل اپنے منگیتر کے ساتھ آرہی ہے، یہ بات ابھی اسوانی، منوج اور روپیش کے سوائے کسی اور کو معلوم نہیں ہوئی تھی۔ اور اسی وجہ سے آرتی دن رات کھوج میں تھی کہ رما کے گھر یکایک ان لوگوں کا آنا جانا کیسے بڑھ گیا ہے !

رما کو یقین تھا کہ نیل کمل حسب معمول بغیر اطلاع کیے پہنچ جائے گی۔ سرپرائز کا اکسائیٹ منٹ وہ کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتی۔۔۔

رما اس رات دیر تک اپنے اور آنند کے رشتہ داروں کے پتے ڈھونڈھ کر

"ٹھیک ہے۔ میں سویرے ہی آجاؤں گا۔۔۔۔اپنی گاڑی لے کر۔"

(۳۷)

شہر پیچھے چھوٹ چکا تھا۔ کار اب دھان کے کھیتوں میں سے گزر رہی تھی۔ فصلیں کٹنی شروع ہو گئی تھیں۔ دور دور تک پھیلے ہوئے گہرے سبز کھیتوں کو ان میں کام کرتی ہوئی تلنگنوں کی سرخ اور زرد ساڑیوں نے اور بھی دل فریب بنادیا تھا۔ کہیں کہیں کام کے ساتھ وہ آپس میں مل کر گانے بھی لگ جاتیں تو ہوا کے جھونکوں کے ساتھ ان کی تانیں فضاء میں دور دور تک پھیل جاتیں۔۔۔ رما کو اس دن ان تانوں میں چھپی ایک عجیب سی کسک محسوس ہورہی تھی۔۔۔۔

جس ذہنی تناؤ کو لے کر وہ گھر سے چلی تھی، وہ اب قدرے کم محسوس ہورہا تھا۔ یہاں تک سفر میں اس نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ منوج بھی خاموشی میں کار ڈرائیو کرتا رہا۔۔۔ دونوں اپنے اپنے خیالوں میں کھوئے ہوئے تھے۔

رما نے چلتے وقت خادمہ سے کہہ دیا تھا کہ اگر نیل کمل آجائے تو اس سے کہہ دو کہ پریشان نہ ہو۔ وہ ایک دو دن میں واپس آجائے گی۔۔۔ وہ کہاں اور کیوں جارہی ہے، رما نے اسے نہیں بتایا۔۔۔ بتانے پر کیا وہ، یا کوئی اور سمجھ پاتا؟ خادمہ کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھما کر کہہ دیا تھا کہ رضیہ کے آنے پر اسے دے دے۔

اب کار تلنگانے کی عجوبۂ روزگار پہاڑیوں میں سے گزر رہی تھی جن کی مثال ساری دنیا میں نہیں ملتی۔۔۔ گرینائیٹ کی چٹانیں ایک دوسرے پر یوں دھری ہوئی جیسے ذرا سے دھکے سے لڑھک جائیں گی۔ عظیم الجثہ پتھر اپنے سے کہیں چھوٹے پتھروں کے ایک ذرا سے حصے پر ٹکے ہوئے!

" ہزاروں لاکھوں موسم ان پر سے گزر گئے ۔ مگر یہ چٹانیں اسی طرح ایک دوسرے پر قائم ہیں ۔" ۔۔۔ یکایک منوج نے خاموشی کو توڑا جو اب بہت زیادہ بوجھل ہوئی جارہی تھی ۔ "۔۔ ۔۔ آپ کو معلوم ہے رما دیوی ، یہ بڑی بڑی چٹانیں ، چھوٹی چٹانوں پر کس نے رکھی تھیں ؟"

رما مڑ کر منوج کو خاموشی سے دیکھنے لگی ۔

۔۔۔ " دیوتاؤں کے بچوں نے ۔ پراچین کال میں ایک روز آکاش کے دیوتا اپنے پریواروں کے ساتھ دھرتی پر اترے تھے ۔۔۔ وہ بھگوان رام اور سیتا کے بن باس کا زمانہ تھا ۔ اور وہ دونوں لکشمن کے ساتھ پنچ وٹی میں ٹھیرے ہوئے تھے ، جو تلنگانے کی سیما پر گوداوری کے کنارے ہے ۔ دیوتاؤں کے آنے کا کارن بس یہی تھا کہ دیکھیں بھگوان رام کس حال میں ہیں ؟ اسی لیے وہ سب یہیں تلنگانے میں اترے ۔

دن بھر ان کے بچے پہاڑوں پر کھیلتے رہے ۔ بڑے بڑے پتھروں اور چٹانوں کو ایک دوسرے پر جما کر خوش ہوتے رہے ، ۔۔۔ اور شام کو جب ان کے ماتا پتا پنچ وٹی سے واپس آئے تو کھیلتے کھیلتے ان چٹانوں کو اسی حالت میں چھوڑ کر اپنے ماتا پتا کے ساتھ واپس آکاش چلے گئے ۔۔۔ اور اب تک یہ چٹانیں ویسی ہی دھری ہیں ۔۔۔"

منوج نے پلٹ کر دیکھا تو اپنے تمام ذہنی ٹینشن کے باوجود رما مسکرا رہی تھی ۔ منوج بھی مسکرانے لگا ۔

" آپ نے یہ کہانی کہاں پڑھی ؟ ۔۔۔ یا پھر ابھی گھڑی ہے ؟ " رما نے پوچھا ۔

" کیا فرق پڑتا ہے ؟ ۔۔۔ آپ کو کیسی لگی ؟ "

" دل چسپ ضرور ہے ۔۔۔۔"

کار ایک گاؤں میں سے گزر رہی تھی ۔ اچھی خاصی آبادی تھی ۔ ایک اڑپی ہوٹل دیکھ کر منوج نے کار روک لی ۔

" صبح کو جلدی میں ناشتہ نہ آپ نے ٹھیک سے کیا تھا اور نہ میں نے ۔ چلیے اب اڈلی اور کافی کا ایک اور ناشتہ ضروری ہے ۔۔۔۔"

نکالنے میں مصروف رہی۔ دونوں کے خاندان شروع ہی سے وسیع نہیں تھے۔ کئی لوگ دوسرے ملکوں میں جا بسے تھے۔ چند رہ گئے تھے، وہ بھی ہندستان میں جانے کہاں کہاں بکھر گئے تھے۔۔۔ اپنی دنیاؤں میں قید۔ کسی کے پاس فرصت ہو، یا کوئی قدر مشترک ہو تو کوئی خط بھی لکھے! رما نے سوچا کہ نیل کی شادی کے موقع پر شادی کے رقعوں کے ساتھ سب کو علاحدہ خط بھی لکھے! ایک مشترکہ مضمون کا مسودہ بھی لکھ کر تیار کرلیا۔۔۔۔

مگر اس کے ساتھ ہی اسے لکھے ہوئے ان ڈھیر سارے صفحوں کا خیال آگیا جن میں ایک ناول کا وجود سانس لینے لگا تھا۔ اور جو اس کے شعور میں ایک اب سیشن بن کر سما گیا تھا۔۔۔

اب نہ وہ اسے پھاڑ کر پھینک دینا چاہتی تھی، اور نہ اس کا قلم آگے سرکتا تھا۔۔۔ ایک دفعہ، بس ایک دفعہ کیا میں ناصر سے نہیں مل سکوں گی؟

عجیب بات تھی، ادھر چند دنوں سے جب جب رما کے ذہن کے پردے پر آنند آموجود ہوتا تو ایک لمحے کے لیے پس منظر میں ناصر کا دھندلا دھندلا چہرہ بھی نمودار ہوتا۔ مگر دوسرے ہی لمحے اس پر آنند کا چہرہ سوپر امپوز کرلیتا۔۔۔۔

پروفیسر راجن اور دھیرج گھوش کو اس نے معاف کردیا تھا۔ مگر ناصر کے لیے وہ اپنے آپ کو کیسے معاف کرے گی؟

بستر پر لیٹے لیٹے رما کھڑکی میں سے باہر دیکھنے لگی۔

باہر خزاں کی اداس رات میں لپٹی ہر شئے پر افسردگی چھائی ہوئی تھی۔ آسمان پر چھے سات راتوں کے چاند نے ہلکے سفید بادلوں کی اوٹ میں اپنا چہرہ چھپالیا تھا۔ پھر بھی اس کی روشنی میں رما کو بادام کا تناور درخت اچھی طرح دکھائی دے رہا تھا۔ جس کی شاخوں سے ہوا کا کوئی تیز جھونکا گزرتا تو اپنے ساتھ کئی زرد اور سوکھے پتوں کو اڑا لے جاتا۔۔۔ اور پھر جب یہ جھونکے ہلکے ہوجاتے، اور شاخوں میں ہولے ہولے سرسرانے لگتے، تو لگتا جیسے پیڑ اپنے پتوں کی جدائی پر سسکیاں بھر رہا ہے۔

۔۔۔ یہ گھٹتا بڑھتا چاند، یہ آتے جاتے موسم، یہ ہوا میں پوشیدہ نغمے اور سسکیاں۔۔۔ یہ سب کتنے سفاک اور بے حس ہیں! وہ سوچنے لگی۔۔۔ کب سے کھیل رہے ہیں انسانوں کے جذبات کے ساتھ، یہ سب! خود ہی آتش شوق بھڑکاتے ہیں۔۔۔ اور پھر خود ہی جدائی کا کرب دے جاتے ہیں۔۔۔

۔۔۔ بے حس۔۔۔ سب بے حس۔۔۔ اور سفاک۔۔۔

یکایک ٹیلی فون کی گھنٹی نے رما کو چونکا دیا!

کون ہے!۔۔۔ اس وقت،۔۔۔ رات کو! اور پھر ایک لمحے کے لیے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی، نیل کمل ہوگی۔

مگر کال دلی سے آئی تھی، رضیہ کی۔ رما کے دل کی دھڑکن اور تیز ہو گئی۔۔۔

"آج ہی پتہ چلا ہے کہ ناصر حیدرآباد کے پاس ناگر جونا کونڈا کے مقام پر کسی بودھی وہارا میں زندگی کی آخری گھڑیاں گن رہا ہے۔ تم نے اصرار سے کہا تھا، اس لیے فوراً اطلاع کر دی۔ میں صبح کی فلائیٹ سے وہاں پہنچ رہی ہوں۔۔۔"

رما دم بہ خود رہ گئی۔۔۔

جس اطلاع کے لیے وہ بے چین تھی، اسی نے یکایک اسے بدحواس کر دیا۔۔۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ناصر کا پتہ اسے اتنی جلدی مل جائے گا!۔۔۔ اور وہ بھی ایسے وقت جب کہ نیل کمل کسی بھی دن، کسی بھی لمحے آسکتی ہے!۔۔۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا، وہ کیا کرے!

۔۔۔ اور پھر اس نے طے کر لیا اسے کیا کرنا ہے۔

اسی وقت منوج کو فون کیا۔ وہ جانتی تھی منوج ان دنوں آفس کی بجائے گھر پر رات کو دیر تک کام کر رہا ہے۔۔۔ منوج نے تعجب سے فون اٹھایا تو ساری بات اسے سنا دی۔۔۔

"منوج صاحب۔۔۔ کہیں دیر نہ ہو جائے۔ صبح سویرے ہی میں روانہ ہو جاؤں گی۔ آپ کو میرے ساتھ ناگر جونا ساگر چلنا ہے۔"

(۳۸)

نیل کمل کے پلین نے حیدر آباد کے ایرپورٹ پر صبح نو بجے لینڈ کیا۔ رسک ساتھ تھا۔ ایرپورٹ پر اس نے نیل کمل سے ایک مرتبہ پھر کہا گھر پر فون کر کے اپنے آنے کی اطلاع کر دے، مگر نیل کمل نہیں مانی۔ سسپنس، سرپرائز۔۔۔اور اکسائیٹ منٹ۔ سارا سیناریو اس کے ذہن میں مچل رہا تھا۔۔۔ پورٹیکو میں ٹیکسی رکے گی۔ وہ دوڑ کر کال بیل دبائے گی دروازہ کھلے گا اور۔۔۔ ممی دھک سے رہ جائیں گی۔ جذبات کے سیلاب میں کوئی بات نہ کر سکیں گی! اور پھر دونوں بڑھ کر لپٹ جائیں گے۔۔۔دیر تک، ایک دوسرے میں سمائے ہوئے!۔۔۔ممی کی آنکھیں بھیگ جائیں گی۔ اور جب گردن اٹھائیں گی تو پیچھے رسک کھڑا ہوگا! ممی دیکھتی رہ جائیں گی۔

مگر جب نیل کمل گھر پہنچی تو سرپرائز کا سارا اکسائیٹ منٹ دھرا کا دھرا رہ گیا۔۔۔ ممی بہت سویرے ہی منوج انکل کے ساتھ کہیں دو دن کے لیے چلی گئی تھیں۔۔۔ نیل کمل حیران رہ گئی! کہاں گئی ہیں، کیوں گئی ہیں۔۔۔ کچھ بتایا بھی نہیں!

اسوانی انکل کو فون کیا۔ مگر سن کر وہ بھی حیران رہ گئے۔ انھیں بھی کچھ پتہ نہیں تھا۔ نیل کمل سے بولے۔۔۔ "میں ابھی آکر تم سے ملتا ہوں۔ کوئی فکر نہ کرو۔"

مگر اسوانی کے آنے سے پہلے آرتی، اندرانی کے ساتھ وہاں پہنچ گئی۔

رما اور منوج کے جانے کی اطلاع کو اس تک پہنچنے میں دیر نہیں لگی۔ سنتے ہی دل میں کھل بلی مچ گئی۔ بے چینی بڑھنے لگی تو سوچا کہ شاید گھر پر نوکرانی سے کرید کرنے پر اور بھی کوئی بات معلوم ہو جائے۔ اندرانی کو ساتھ لے کر پہنچ گئی۔۔۔

مگر گھر پر رما کی بیٹی اور ہونے والے داماد کو دیکھ کر اس کی خوشیوں کا ٹھکانہ نہ رہا! نئی نئی خبروں اور اسکینڈلس کے لیے تو جیسے دروازہ کھل گیا!

"فکر مند نہ ہو بیٹی۔۔۔ تمھاری ممی ایک دو دن میں ہی آجائیں گی۔۔۔" شفقت سے لبریز لہجے میں آرتی نیل کمل کو دلاسہ دینے لگی۔۔۔

"تمھیں شاید پتہ نہیں کہ وہ اور منوج اس سے پہلے بھی اسی طرح کہیں چلے گئے تھے۔۔۔ مگر اس دفعہ وہ جلدی آجائیں گے۔ انھیں معلوم ہے، تم آنے والی ہو۔۔۔"

نیل کمل کے چہرے کے اڑتے ہوئے رنگ دیکھ دیکھ کر آرتی کو بڑا سکون مل رہا تھا۔

(۳۹)

پہاڑیاں پیچھے رہ گئی تھیں۔۔۔ کار اب نل گنڈے کے خشک علاقے سے گزر رہی تھی۔ یکایک منوج بولا۔۔۔ "اور اگر نیل کمل آگئی ہو تو؟"

"آجانے دو۔۔۔"

"اس کے ساتھ رسک بھی ہوگا۔"

"وہ لوگ انتظار کرسکتے ہیں۔ میں نہیں۔" رما بولی۔

"انتظار تو آرتی بھی نہیں کرے گی۔۔۔" منوج بولا۔

رما نے مڑ کر ایک نظر منوج پر ڈالی اور پھر پلٹ کر سامنے دیکھنے لگی۔۔۔

"نیل کمل آئے، نہ آئے۔۔۔ آرتی نے اپنا کام شروع کردیا ہوگا۔۔۔ مگر ان باتوں پر سوچنے کا نہ میرے پاس وقت ہے اور نہ مجھے ان کی پرواہ ہے۔۔۔ جانے پھر موقع ملے نہ ملے۔۔۔ ناصر سے ایک دفعہ ملے بغیر مجھے سکون نصیب نہیں ہوگا۔ منوج صاحب۔

شاید۔۔۔ اسے اب بھی ہوش کے راستے پر لاسکوں! کچھ کرسکوں اس کے لیے۔۔۔ نہ بھی کرسکوں تو بس ایک بار مل لوں!۔۔۔ یہ خواہش ایک مستقل اب سیشن بن چکی ہے میرے لیے۔ کیا وہ لوگ اس بات کو سمجھ سکیں گے؟"

اس کے بعد دونوں خاموش ہوگئے۔ ایک ذرا سی دیر کے لیے منوج کے ذہن میں آیا تھا کہ رما سے کہے۔۔۔

"آپ کے اب سیشن میں صرف آپ ہی نہیں، وہ ناول بھی مبتلا ہے، جو آپ کے گھر پر ادھورا پڑا ہے۔۔۔"

مگر اس نے کہا نہیں۔ تیل کمل کا ذکر چھیڑ کر، اسے پہلے ہی محسوس ہورہا تھا کہ اس نے غلطی کی ہے۔۔۔ وہ چپ چاپ کار چلاتا رہا۔ رما بھی چپ رہی۔ فاصلہ اب آدھے سے بھی کم رہ گیا تھا۔

یہاں سڑک عجیب ویران سے علاقے سے گزر رہی تھی۔ گاؤں آتے بھی تو دور دور اور چھوٹے چھوٹے سے۔ کار کے اندر خاموشی اب بوجھل ہوتی جارہی تھی۔۔۔ بالآخر رما بولی۔۔۔

"منوج صاحب۔ اب آپ ذرا ریسٹ لیجیے اور اسٹیرنگ مجھے دے دیجیے۔"

منوج نے کار روک لی۔ اس نے دیر سے سگریٹ بھی نہیں سلگایا تھا۔۔۔ رما نے جیسے ہی کار آگے بڑھائی، منوج نے سگریٹ سلگالی۔ اور سیٹ پر گردن ٹکا کر آنکھیں بند کرلیں۔۔۔

کار کے اندر وہ بوجھل پن اب تحلیل ہوچکا تھا۔

"ناگر جونا ساگر پہنچ کر ناصر کو کیسے اور کہاں تلاشش کرنا ہوگا، اس بارے میں کچھ سوچا ہے آپ نے؟"۔۔۔ منوج نے پوچھا۔

"نہیں۔"

"رضیہ نے کچھ نہیں بتایا؟"

"اسے شاید خود بھی نہیں معلوم۔"

"ناگر جونا کونڈا تو تالاب میں ڈوب چکا۔۔۔ یلیشورم نہیں ڈوبا ہے۔"

"یلیشورم۔۔۔؟" رما نے پوچھا۔

"وہ۔۔۔ ڈیم کے مخالف سمت گھنے جنگل اور اونچے پہاڑوں میں، کرشنا کے کنارے کچھ پرانی گپھائیں ہیں، جو کسی زمانے میں بودھی وہارائیں ہوا کرتی تھیں۔ یلیشورم اسی گاؤں کا نام ہے۔ کہیں ناصر بودھی راہبوں کے ساتھ وہیں نہ ہو۔۔۔"

"وہاں تک کار جا سکتی ہے؟" رما نے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔"

سڑک کے دائیں جانب دور افق پر پہاڑوں کا ایک سلسلہ نظر آنے لگا تھا۔ منوج ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔۔۔

"ان پہاڑوں کے پیچھے سے کرشنا دریا آرہا ہے۔ اب ناگر جونا شہر زیادہ دور نہیں۔"

"کون سا شہر؟" رما نے پوچھا۔۔۔ "بودھی عہد کا ناگر جونا کونڈا، جس کے کھنڈر اب ساگر کی تہہ میں ہیں؟۔۔۔ یا وہ شہر جسے اب دوبارا بسایا گیا ہے؟"

"دونوں۔ جو ڈوب گیا، ناگر جونا کونڈا، اس کی ایک ایک اینٹ کو اٹھا کر تالاب کے ایک جزیرے پر جوں کا توں رکھ دیا گیا ہے۔۔۔ آپ نے دیکھا ہے؟" منوج نے پوچھا۔

"دیکھا ہے۔ آنند کے ساتھ"۔۔۔ رما نے جواب دیا۔ "میں نے وہ شہر اس وقت دیکھا تھا، جب کھدائی میں برآمد ہوا تھا۔۔۔ اس وقت اسے تالاب کے پانی نے نہیں، وقت کے سمندر نے غرق کر رکھا تھا۔ تالاب میں گم ہو جانے والا شہر۔۔۔ جہاں ناگر جونا لوگوں کو سمجھاتا تھا کہ غم اور خوشی ایک ہی احساس کے دو رخ ہیں۔ ان کے فرق کو مٹا دوگے تو نجات کا راستہ مل جائے گا۔۔۔

ہزاروں سال سے یہ شہر خود کو زندہ رکھنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ زمانے کی رفتار نے اسے نابود کر دیا، مگر اسے پھر سے بنایا گیا۔۔۔ یہ اس کا پُنر جنم ہے اور کون جانے اس میں وہی روح بھی سانس لیتی ہے!"

رما اک دم چپ ہو گئی۔

کہیں سے ایک مانوس آواز اس کے کانوں میں آرہی تھی۔۔۔" یہاں بھی شاعری شروع کردی؟۔۔۔ ادب، فلسفہ، شاعری! زمانے کی تلخ حقیقتوں کے سامنے سب فراڈ لگتا ہے، رما دیوی جی۔۔۔"

آنند اسے اسی طرح چھیڑ کر خوش ہوا کرتا تھا۔۔۔

اور اب مشرق کی طرف جمع ہونے والے بادل بڑھ کر آسمان کے ایک بڑے حصے پر پھیلتے جا رہے تھے۔ سورج بار بار ان کی کمند سے باہر آنے کی ناکام کوشش میں لگا ہوا تھا۔ موسم اب بھی ویسا ہی خشک لگ رہا تھا۔

منوج نے سوچ لیا تھا کہ ناگر جونا ساگر شہر پہنچ کر وہ سب سے پہلے پولیس اسٹیشن میں دریافت کرے گا۔ جرنلسٹوں کو پولیس والوں کا تعاون فوراً مل جاتا ہے اور پولیس کو یقیناً معلوم ہوگا کہ ناصر والا بودھی راہبوں کا گروپ کہاں آکر ٹھہرا ہوا ہے۔

شہر ابھی آٹھ دس کیلو میٹر دور ہی تھا کہ سڑک پر اچانک بھیڑ بکریوں کا ایک بڑا ریوڑ آگیا۔ وہیں سے ایک کچا راستہ سڑک کے دائیں جانب سے نکل کر کچھ دور پہاڑوں کی طرف جا رہا تھا۔ ان ہی پہاڑوں کے دامن میں پرلی جانب ساگر کا پانی لہریں مار رہا ہوگا۔۔۔ منوج نے سوچا۔

یک لخت اسے خیال آیا کہ ان ہی پہاڑوں کی ڈھلانوں میں وہ گاؤں یلیشورم بھی ہوگا، جہاں قدیم بودھی گپھائیں ہیں،۔۔۔ دھارا اور چیتیا ہیں!

" یہ راستہ کہاں جاتا ہے؟" کار سے اتر کر منوج نے بکریوں کے ریوڑ والے بچے سے پوچھا۔

" گاؤں کو۔" بچے نے جواب دیا۔

"کون سا گاؤں؟"

" یلیشورم۔۔۔"

کار میں بیٹھتے ہوئے منوج نے رما کی طرف دیکھا۔ وہ خاموش بیٹھی تھی۔ منوج نے کار کچے راستے پر موڑ دی۔

ٹیڑھا میڑھا راستہ پہاڑ کی طرف جارہا تھا۔ آگے اونچائی پر بے ڈھب نکلے ہوئے پتھروں پر سے کار کو بچا کر لے جانا اور بھی مشکل ہوگیا۔

گاؤں خاصی اونچائی پر پہاڑ کی ڈھلان پر تھا۔۔۔ چھوٹا سا گاؤں۔ کوئی پندرہ بیس گھر تھے، گھاس پھوس اور مٹی کی دیواروں والے، اور کویلو کی چھتوں والے۔ ان کے پرے ایک اونچی چٹان پر کوئی پرانا دیول تھا، جس کے چبوترے کی سیڑھیوں کے نیچے تک ساگر کا پانی آگیا تھا۔

اوپر پہاڑ کی ڈھلان پر خود رو جنگلی جھاڑیوں میں چھپی دو قدیم گپھاؤں کے دہانے دکھائی دے رہے تھے۔ ان کے آگے سے پتھروں میں تراشی ہوئی چھوٹی چھوٹی اور ٹوٹی پھوٹی سی سیڑھیاں اونچی گھاس میں لپٹی نیچے گاؤں تک آرہی تھیں۔

سیڑھیوں پر سے تین بھکشو سر جھکائے آہستہ آہستہ نیچے اتر کر آرہے تھے۔ ان کے سر گھٹے ہوئے اور جسم پر زرد چادریں تھیں۔

دیول والی چٹان کے پاس تھوڑی سی ہموار جگہ دیکھ کر منوج نے کار کھڑی کردی۔ کار سے اتر کر وہ اور رما بھکشوؤں کو تکنے لگے جو ان کی طرف آرہے تھے۔ گاؤں کے کچھ مرد اور عورتیں اور کچھ بچے کار کے پاس آکھڑے ہوئے اور حیران نظروں سے منوج اور رما کو دیکھنے لگے۔

اور اس وقت منوج اور رما کے کانوں میں پہلی بار وہ ہلکی ہلکی، غیر مانوس اور پُر اسرار سی آواز آئی، جو پاس کے کسی گھر سے آرہی تھی۔۔۔ اور پھر دھیرے دھیرے ان کی سمجھ میں آنے لگا کہ وہ آواز کسی مرد کی ہے۔ جو عربی زبان میں قرآن شریف کی تلاوت کر رہا ہے۔

رما کا دل دھک سے ہوگیا۔۔۔

منوج پلٹ کر کچھ کہنا چاہتا تھا، مگر اس دوران میں بھکشو ان کے پاس پہنچ

چلے تھے۔ اور اب حیرت میں ڈوبی نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔۔۔

"آپ لوگ ناصر کو جانتے ہیں؟"۔۔۔ منوج نے رکتے رکتے پوچھا۔

جواب دینے کی بجائے وہ تینوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔۔ بالآخر ایک بولا۔

"وہ مہان تھا۔۔۔ اس نے سمبودھی کی سیما کو پار کر لیا تھا۔۔۔ ابھی کچھ دیر پہلے ناصر نے پری نروان پالیا۔۔۔!"

منوج نے رما کی طرف دیکھا۔ وہ بالکل گم سم کھڑی تھی۔

"آپ لوگ ناصر کے کون ہیں؟" دوسرے بھکشو نے پوچھا۔

بھکشو کو کوئی جواب نہیں ملا۔ رما اور منوج اسی طرح چپ چاپ کھڑے تھے۔ اور اس خاموشی میں اس گھر سے آتی ہوئی پراسرار آواز، ذرا سی دیر کے لیے، یک بارگی ابھر کر مدھم ہو گئی۔۔۔ جیسے رات کے سناٹے میں کسی گاؤں کے باہر کہیں دور کسی سفری سنیما گھر سے سکنڈ شو کے کسی نغمے کی آواز ہوا کے جھونکوں پر سوار سنائی دے جاتی ہے۔

"جائیے۔۔۔۔ دیکھ لیجیے۔۔۔۔" پہلے بھکشو نے اس گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جہاں سے وہ آواز آ رہی تھی۔۔۔ "اچھا ہوا آپ آگئے۔ ہم یہی سوچ رہے تھے۔۔۔ کہ۔۔۔"

مگر رما وہاں نہیں تھی۔۔۔ وہ ہولے ہولے قدموں سے پرانے مندر کی سیڑھیوں کی طرف جا رہی تھی۔ منوج کچھ دیر وہیں کھڑا اسے دیکھتا رہا، کھویا کھویا سا۔ پھر خود بھی بہت دھیرے دھیرے اس کی طرف بڑھنے لگا۔

مندر کا چبوترا کئی جگہ سے ٹوٹ گیا تھا۔ اس پر پہنچا تو دیکھا، رما دوسری طرف پہاڑی کے نیچے اترتی ہوئی سیڑھیوں پر کھڑی دور تک پھیلے ہوئے ساگر کے پانیوں کو دیکھ رہی تھی، جن پر دھندلائی ہوئی دھوپ میں جگہ جگہ بادلوں کی مل جلی پرچھائیوں کے جزیرے ایک دوسرے کے تعاقب میں پھسلتے جا رہے تھے۔۔۔

لگتا تھا جیسے مندر سے مورتی اٹھ آئی ہے۔۔۔ پتھر میں ترشی ہوئی۔۔۔ بے حس و حرکت! پتھرائی ہوئی آنکھیں ساگر اور آکاش کے بیچ خلاء کی دھند میں جانے کیا تکے

جارہی تھیں! ۔۔۔ چہرے پر نہ غم، نہ خوشی! ۔۔۔ فکر و احساس کی کشاکش سے ماورا ۔۔۔ غم واندوہ کی سلاسل سے بے نیاز! ۔۔۔ نہ کچھ سن سکتی تھی، نہ دیکھ سکتی تھی!

ہوا کے دوش پر آنے والی وہ سحر انگیز آواز، اوپر پہاڑوں کی اونچائیوں میں اپنے سربستہ راز سینے میں چھپائے وہ ہزاروں سال پرانی گپھائیں، اور یہاں اس بے نام سے قدیم مندر کی گپھا گریہہ کے رنگ منڈپ کی چھت سے آویزاں یہ گھنٹہ ۔۔۔ سب اپنے اپنے فریم میں فریز ہوکر معلق ہوگئے تھے۔

اور پھر یہ ایک دوسرے میں ضم ہوکر آوٹ فوکس ہونے لگے ۔۔۔ اور پھر یہ بے ترتیب بے مطلب پرچھائیاں بھی فیڈ آوٹ ہونے لگیں ۔۔۔

بس ایک نیلگوں دھند کا غبار حد نگاہ تک پھیلتا چلا گیا ۔۔۔

اب نہ وہاں ساگر کا بے پایاں پانی تھا اور نہ اس کی سطح پر مچلتی ہوئی بے چین موجیں ۔۔۔ ہر چیز غبار کی نیلگوں دھندلاہٹوں میں تحلیل ہوچکی تھی ۔۔۔ اور یہ دھواں دھواں کہرے کی نیلاہٹ زمین اور آسمان کے درمیان پھیلی ہوئی وسعتوں میں بلند ہوتی جارہی تھی ۔۔۔ جیسے آسمان کو چھولے گی!

۔۔۔ لاحاصل ۔۔۔ سب لاحاصل ۔۔۔ لایعنی ۔۔۔

اور پھر پتھر کی مورتی یک لخت چبوترے کے سرے پر یوں بیٹھ گئی جیسے کانپتے ہوئے پیر اس کا بوجھ سنبھال نہ سکیں گے ۔۔۔